3400

714

حسینی مشن کا نیسرا تحفہ

دشمنانِ اہلبیتؑ

مؤلف علی جواد بسونوی

قیمت بارہ آنہ ۱۲/

رودادِ چمن

عرصہ سے ایسی کتاب لکھنے کا خیال تھا جسے ہر پڑھنے والا پسند کرے، اور اسلام کے کسی فرقہ کی دل آزاری نہ ہو، تاکہ عام مسلمان ایک نقطہ پر متحد ہو جائیں۔ ذہن میں خاکے بنتے، اور بادل کے سائے کی طرح غائب ہو جاتے۔ مدتوں خیالی پکاؤ پکتا رہا، اور ادھیڑبن جاری رہی، لیکن ارادہ کو جامۂ عمل نصیب نہ ہوا۔ اسی اثنا میں رسوائے عالم دو کتابیں "خلافت معاویہ و یزید" اور "تحفۂ کربلا" منظر عام پر آئیں، جس سے اسلامی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ مقدم الذکر کتاب کی جائے ولادت، سرزمین پاک کراچی، اور دوسری کا جنم استھان، بھارت کی پوتر بھومی، پریاگ ہے۔ ان کی اشاعت سمندِ عزم پر تازیانہ ہوئی۔

یزید کے کردار و سیرت کو پاکیزگی اور پرہیزگاری کا سرٹیفکیٹ دینے والی دونوں کتابوں نیز ان کے مسلمان نما اور یزید مشرب کے مصنفوں نے مسلمانوں کو "آتش زیرپا" کر دیا، اور زخموں پر وہ نمک پاشی کی کہ

سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہیم

کا عالم ہے۔

ان زہریلی کتابوں کے ذریعہ، بدعقیدگی کے بارود کی سرنگ تیار کی گئی ہے، جس سے عقائد کی عمارت تباہ ہو جائے۔ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے جذبات عقیدت اور مذہبی حقیقت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ کیا اس چیلنج کا جواب خاموشی ہے؟ ساتھ ہی ساتھ ان کی دینی غیرت و حمیت کی آزمائش ہے۔ کیا مسلمان اس امتحان سے دوچار ہونے کو تیار ہیں؟

غیرتِ دینی کدھر ہے آپہی ہنگام ہے　　　ہمتِ قومی بس آگے خدا کا نام ہے

دشمنانِ دین نے ہمیں کمزور سمجھ کر للکارا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم بدلہ لیں، اور ان کو بتادیں کہ ہماری جوابی تحریر سے لوح و قلم، کانپ اُٹھتے ہیں۔ پھر تمہاری کیا ہستی؟ حبابِ سراب کی ہستی ہی کیا؟ ہوا کا ایک جھونکا اور پانی کا ایک ریلا کافی ہے۔ قیامت کے دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ ایک نیک بندہ، حسینیت کا پرچار کرنے کھڑا ہوا۔ اُس نے اقامتِ دین کا جھنڈا بلند کرنے کی سعی کی۔ تم نے اس کا کتنا ساتھ دیا؟ تم نے حق کی حمایت کا کیا پارٹ ادا کیا ہے؟ تم نے اس مجاہد فی سبیل اللہ کی کیا مدد کی؟ اس وقت آپ کا جواب کیا ہوگا؟ کیا آپ کہیں گے کہ ہم مصلّٰی بچھائے مصروفِ دعا تھے؟ بیشک دعا میں اثر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میدانِ تدبیر و عمل میں بھی آنے کی ضرورت ہے۔ جب تک میدان سَر ہوگا، دعا کارگر نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھئے "دعائے بے تدبیر" اور "تدبیر بے دعا" دونوں اسلام میں ناپسندیدہ ہیں۔ رسول اللہ، دعا کے ساتھ ساتھ، تدبیر و عمل اور جد و جہد سے بھی کام لیتے تھے۔ کفارِ قریش کا زور توڑنے کے لئے، جانبازی اور سرفروشی سے کام لینا پڑا ہے۔

یزیدیت کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے، مریخ و مشتری میں بسنے والی مخلوق نہ آئے گی۔ آپ ہی کو یہ فرض انجام دینا ہے، اور کل نہیں، بلکہ آج، کیونکہ کل کبھی نہیں آتی۔ جو سرچشمہ، آج "میل" (سلائی) سے بند ہو سکتا ہے، کل "فیل" (ہاتھی) کو بھی بہالے جائیگا۔ اکثر ایک چنگاری سے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں، اور ایک رخنہ سے سیلاب آجاتا ہے۔ اس لئے جوابی لٹریچر اور کتابوں سے اس کا بند باندھنا ضروری ہے۔ اس کے لئے میری خدمات وقف ہیں۔ آپ کا کام سرمایہ فراہم کرنا، وہ بھی حیثیت کے مطابق۔

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیِ تحریر

آپ نے یہ کام انجام دے لیا تو آنے والی نسلیں، آپ کے کارنامہ کو فخر کے ساتھ یاد کریں گی۔

بہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند　　　زما پیام رسانید ہر کجا ہستند

دونوں کتابوں کی انوکھی رعنائی اور جدت طرازی کے ساتھ، جھوٹ، کتر بیونت اور یزید پرستی کا ریکارڈ قائم کرنا تھا کہ مسلمانوں میں ان کے خلاف احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ علماء سواد اعظم نے قلموں کی رفتار تیز کر دی، اور جواب میں ایسی کتابیں لکھیں کہ یزیدیت منہ چھپانے لگی۔ مسلمانان الہ آباد کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

میری علمی تہی دامنی تاریخ کے سنگلاخ پر قدم رکھنے سے مانع تھی، اور قلم اٹھانے کی اجازت نہ دیتی تھی کہ یہ کام انجام دینا "جوئے شیر" لانا ہے۔

واقعی، میں کیا اور میری بساط کیا۔ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ۔ من آنم کہ من دانم۔ مگر مسلمانوں کی ہمت افزائی اور اصرار پیہم کے سامنے، سر تسلیم خم کرنا پڑا، اور یہ مجبوری بار عظیم اٹھا لیا۔

یہ کہہ کے پاؤں رکھ دیا مجنوں نے دشت میں
کب تک خیال وسعت صحرا کرے کوئی

آخر کتاب چھپ گئی، جس کا نام "سید الشہداء امام حسینؑ اور یزید" ہے۔ تقریباً سارا مواد، سواد اعظم کی معتبر کتابوں سے لیا گیا ہے۔

مجھے اس اظہار حقیقت میں ذرا بھی جھجک نہیں کہ مذکورہ بصدر کتاب کی طباعت کا سہرا، نواب محمود آغا صاحب آف رانی منڈی الہ آباد کے سر ہے۔ موصوف نے فرمایا تھا کہ جد وجہد، تگ ودو، اور ذاتی اثر و رسوخ سے کتاب چھپوا دوں گا۔ "قول مرداں جان دارد" جو کہا تھا، کر دکھایا۔

ایں کار از او آید و مرداں چنیں کنند

موصوف کی دلچسپی اور محبت کے گہرے نقوش میرے دل میں ہیں۔ انشاء اللہ اجر و ثواب اسی بے نیاز کی بارگاہ سے ملے گا جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔

کتاب مذکور کی طباعت میں مسلمانان الہ آباد نے بھی دریا دلی کا ثبوت دیا۔ قبل

طباعت میں روپئے، دس روپئے، پانچ روپئے، دو روپئے اور ایک روپئے سے، بہ قدر توفیق اعانت فرمائی، تا اینکہ "قطرہ قطرہ دریا" اور "دانہ دانہ خرمن" ہو گیا۔ بعد طباعت عام مسلمانوں نے فی کتاب، ایک روپیہ کا ہدیہ قبول فرمایا، شاید یہ پہلی کتاب ہے جس کی پسندیدگی اور خریداری میں سارے مسلمان، مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرات مجتہدین نے بھی، پسند کرکے خرید فرمایا۔

یادش بخیر، صوفی صافی، رہنمائے تصوف، ہادی طریقت، عمدۃ العارفین، قدوۃ السالکین، زبدۃ المتصوفین، عالم علوم حقانی، عارف معارف ربانی، حجۃ الاسلام فی الانام، مولانا میاں عزیز شاہ صاحب مدظلہ العالی مادامت الایام واللیالی سجادہ نشین "خانقاہ نیازیہ" بریلی شریف۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

نے علاوہ مراسم میزبانی کے، اکیاون روپئے کی گراں قدر رقم عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کیا، اور مریدان باصفا کو بھی ہدیہ لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ مریدین، پروانہ وار ٹوٹ پڑے، اور بہت سی کتابیں خرید فرمائیں۔ انشاء اللہ، اس کا صلہ، سرکار حسینی سے ملے گا۔
ہاں خوب یاد آیا۔ عارف کامل، شیخ المشائخ، معلم صوفیائے کرام، عالم جلیل، فاضل نبیل، میاں سید شاہ عزیز احمد صاحب ادام اللہ اقبالہ و اطال عمرہ سجادہ نشین "خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ" محلہ چک الہ آباد نے بھی معقول رقم عنایت فرمائی۔
میری دعا ہے کہ بہ طفیل محمدؐ و آل محمدؐ، جملہ حضرات کی دعائیں اجابت سے ہمکنار ہوں۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر العباد
علی جواد بسونوی۔ موضع بسونہ۔ ڈاکخانہ کرہرہ۔ ضلع الہ آباد

اُمَیَّہ

فارسی مقولہ ہے "اوّل بہ آخر نسبتے دارد" اوّل کو آخر سے تعلق ہوتا ہے، اسی لئے اُمیہ کے حالات سے آغاز ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے، اپنے کیرکٹر، چال چلن، اور طرزِ عمل کا جو سنگِ میل، اس نے قائم کیا، اسی کو اس کی نسل نے، نشانِ منزل جانا، اور ہر ایک نے وہی روش اختیار کی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں سوائے دو کے۔ بنیاد کی اینٹ ٹیڑھی ہونے سے ساری عمارت ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اس کا سیدھا کرنا، جال میں ہوا، اور چھلنی میں پانی روکنے کی کوشش کرنا ہے۔

حضرت "عبد مناف" کے دو بیٹے "عبد الشمس" اور "ہاشم" جڑواں پیدا ہوئے۔ ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی میں چسپاں تھی۔ دونوں تلوار سے کاٹ کر جدا کئے گئے۔ کاہنوں نے پیش گوئی کی کہ ہمیشہ دونوں کی اولاد میں تلوار چلتی رہے گی۔ لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی، کیونکہ ان دونوں نیزان کی اولاد کے درمیان، کسی قسم کی نزاع بتانے سے تاریخ خاموش ہے

"اُمیہ"، (لونڈیا) تصغیر ہے "اَمَۃ" کی یعنی ذلیل باندی۔ بجز فیتی ہی شرفِ نسب پر گواہ ہے۔ نام "ذکوان" عرف "اُمیہ"، لوگ حقیر جان کر اسی نام سے پکارتے تھے۔ یہ "عبد الشمس"، کا رومی النسل غلام تھا۔ قریش نہ تھا۔ اگرچہ کچھ عرصہ بعد، اپنے کو "عبد الشمس"، کا بیٹا کہنے لگا۔ پھر بھی مشہور رہو گیا۔

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کیلئے

"روض الانف سہیلی" میں لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت "دغفل صحابیؓ" سے پوچھا۔

آپ نے حضرت "عبدالمطلب" کو دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں۔ وہ خوبصورت اور جسیم تھے۔ ان کے دس بیٹے ستاروں کی طرح گھیرے رہتے تھے۔ پھر پوچھا۔ "امیہ" کو بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں۔ وہ چندھا، کرنجا، بدشکل "عبدالشمس" کا غلام تھا۔ اسی کو "اُمیہ" بھی کہتے تھے۔
جب "ثوب" "معاویہ کے دربار میں پہنچے، اور گفتگو شروع ہوئی تو اثنائے کلام میں کہا۔ تم لوگ کہتے ہو کہ "امیہ" بیٹا تھا "عبدالشمس" کا۔ وہ ان کا غلام "ذکوان" تھا (اصابہ ج ۱ ص ۶۱۵ کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۵)

مولوی محمد عالم چشتی لکھتے ہیں "مشہور ہے کہ عبدالشمس کا کوئی فرزند "امیہ" نامی نہ تھا۔ ہاں، ایک غلام "ذکوان" نامی تھا جس کو اُمیہ بھی کہتے تھے (تنزیہ الانساب ج ۲ باب ۴)

یہ پایۂ شر و فساد، آفت کا پرکالہ، اور پانی میں آگ لگانے والا تھا۔ اکثر حضرت ہاشم کے منہ آتا، مگر وہ خانہ زاد اور غلام جان کر منہ نہ لگاتے۔ وہ مقابلہ کا چیلنج دیتا، اور ٹال جاتے۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ شرط یہ ٹھہری کہ شکست خوردہ مقابل جیتنے والے کو پچاس اونٹ سیاہ آنکھوں والے دے، اور دس برس کے لئے مکہ سے باہر چلا جائے۔ قبیلہ خزاعہ کا کاہن، حَکَم مقرر ہوا۔ دونوں نے اپنا کارنامہ پیش کیا۔ کاہن نے حضرت ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا۔ آپ نے پچاس اونٹ لیکر ذبح کیا، اور اہل مکہ کی دعوت کر دی۔ اُمیہ کو دس سال کے لئے جلاوطنی اختیار کرنی پڑی (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۳-۴۴)

"اُمیہ" کی اولاد "بنی اُمیہ" کہلاتی ہے، جس پر قرآن نے لعنت کی ہے۔ حضرت عائشہ نے مروان سے کہا۔ میں نے تیرے باپ، دادا کے متعلق رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے۔

عرب میں مقابلہ کا دستور یہ تھا کہ دو حریف اپنے لائق فخر و عظمت کارناموں کو پیش کرتے۔ جس کے حق میں فیصلہ ہوتا، وہ غالب سمجھا جاتا۔ اس کو عربی میں "منافرت" کہتے ہیں۔ فیصلہ کے لئے، کاہن منتخب ہوتے جو علم قیافہ و نجوم میں بڑے ماہر ہوتے تھے۔

"والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن" (پ۱۵۔ س بنی اسرائیل۔ رکوع ۶)
قرآن میں جس شجرۂ ملعونہ کا ذکر ہے، اس سے مراد تم لوگ ہو، یعنی بنی اُمیہ (تفسیر در منثور سیوطی ج ۴ ص ۱۹۱ تفسیر کشاف زمخشری ج ا ص ۱۵۵)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "اس دین کی آفت بنی امیہ ہیں" (کنز العمال ج ۷، ص ۱۴۲)

یہی خاندان بنی اُمیہ، اسلامی ترقی کی راہ میں "سنگ گراں" تھا۔ قدم قدم پر رکاوٹ ڈالنا، اور رسولؐ کے ہر اقدام میں روڑے اٹکانا، اپنا شعار بنا لیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہمارے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والی قومیں، بنو امیہ، بنو مغیرہ اور بنو مخزوم ہیں" (تطہیر الجنان ص ۱۴۴)

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں "آنحضرتؐ کی نبوت کو، خاندان بنی امیہ، اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی (سیرت النبی ج ا ص ۱۸۵)

اس کتاب میں اس خاندان کا نام بھی "دشمنان اہلبیتؑ" ہے۔ سچا مسلمان، ان نام نہاد مسلمانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ تاریخ بھی برے لفظوں سے یاد کرتی ہے۔ ان کی مثال ان شاخوں کی ہے جو بے اصل ہوتی، اور شاذ و نادر ہی اچھے برگ و بار لاتی ہیں۔ مورخین نے شاہان بنو امیہ کو "فراعنۂ اسلام" کہا ہے۔

"درحقیقت بنی اُمیہ کا دور، وہ تھا جس میں مسلمان اور اسلام جدا جدا منزلوں میں نظر آتے تھے۔ دونوں کی راہیں الگ تھیں۔ وہ مدہوش شرابی، خونخوار قاتل اور سخت فحش کار تھے۔ قتل و غارتگری، سفاکی اور حیا سوز تشدد، ان کی قوتوں کے مظاہرے تھے (رسالہ مولوی۔ فروری ۱۹۳۸ء ص ۱۶ دہلی)

ایسے لوگوں کو "خلفا" کہنا، اسلام کو بدنام کرنا ہے۔ انہوں نے اسلام کی صورت مسخ کر دی۔

ابوسفیان

ولادت، عام الفیل سے ۱۰ سال قبل نام صخر (سخت) کنیت ابوسفیان اور ابوحنظلہ۔ باپ کا نام حرب (لڑائی) اُمیّہ کا پوتا تھا۔

یہ رسالتمآب کی مخالفت میں پیش پیش اور قائد کی حیثیت رکھتا تھا۔ سنہ ۶۱۶ء میں قریش سے ساز باز کرکے رسولؐ کے خاندان کا بائیکاٹ کرا دیا، اور اس حد تک کہ بنی ہاشم سے شادی بیاہ اور تجارت نہ کیجائے، بلکہ کھانا پانی بھی بند کردیا جائے۔ آخر مجبور ہو کر خاندان ابوطالب کو "شعب ابو طالب" میں پناہ لینی پڑی۔ عالم یہ تھا کہ بچے بھوک پیاس سے بلبلاتے، واویلا مچاتے، مگر کسی کو ترس نہ آتا۔ یہ حالت تین برس تک رہی۔ جب بائیکاٹ ختم ہوا تو گھاٹی سے نکلے۔

ہجرت کے بعد، مدینہ میں اسلام پھولنے پھلنے لگا تو یہ انگاروں پر لوٹنے لگا، کیونکہ اس کو اسلام کی اشاعت نہ بھاتی۔ برابر مدینہ پر چڑھائی کرتا، اور منہ کی کھاتا۔ جنگ "سویق" اور غزوہ "احد" کا ہیرو یہی تھا۔ جنگ "خندق" وغیرہ میں بھی شریک تھا۔

روز جمعہ ۲۰ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، اسی دن اسلام لایا، مگر خوف اور ڈر سے، نہ کہ دل سے۔ اس کو ساری عمر اسلام سے لاگ رہی۔ اور کبھی لگاؤ نہ ہوا۔ تاریخ "روضۃ المناظر" میں علامہ "ابن شحنہ" فرماتے ہیں کہ جب رسول خداؐ مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو

"حنظلہ" ابوسفیان کا بیٹا۔ معاویہ کا بڑا بھائی۔ غزوہ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ آپ نے ایسی ضرب لگائی کہ آنکھیں نکل پڑیں (مغازی الصادقہ کامل واقدی ص ۲۹)

خدمت رسولؐ میں حاضر کیا۔ (دونوں میں پرانے زمانے کی دوستی تھی) آنحضرتؐ نے اپنے چچا کی سفارش سے خطا معاف کر دی، اور فرمایا، کیا ابھی لا الٰہ الا اللہ کہنے کا وقت نہیں آیا؟ عرض کی بیشک۔ پھر فرمایا، کیا میری رسالت کی تصدیق نہ کرے گا؟ جواب دیا۔ اس میں شک ہے۔ حضرت عباسؓ نے ڈانٹ کر کہا۔ تجھ پر خدا کی مار۔ جلدی تصدیق کر، ورنہ جان کی خیر نہیں۔ ابھی سر و تن میں جدائی ہو جائے گی۔ یہ سننا تھا کہ اسلام قبول کیا (مدارج النبوہ ج ۲ ص ۶۸۳)

در اصل یہ قبول اسلام، خوف و دہشت کی وجہ سے تھا، نہ کہ دل کی تبدیلی سے۔ اسلام سے عداوت و نفرت اس حد تک تھی کہ دل سے نکل ہی نہ سکتی تھی، اور تا دم واپسیں نہ نکلی۔ اس کا مظاہرہ ہر موقع پر ہوتا رہا۔ اس کے ہاتھوں، مسلمانوں کو اتنی مصیبتیں جھیلنی پڑیں کہ ہر شخص درپئے قتل تھا، اور چاہتا تھا کہ اپنا انتقام لے لے۔

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں "ابو سفیان کے تمام پچھلے کارنامے، اب سب سامنے تھے۔ اور ایک ایک چیز، اس کے قتل کی دعوے دار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبی) تھی۔ اس نے ابو سفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔" (سیرت النبی ج ۱ ص ۳۰۶)

جناب عباسؓ نے رسالت پناہ کا اشارہ پا کر ابو سفیان سے کہا، چلو، اسلامی لشکر کا مشاہدہ کراؤں۔ پہاڑ کی بلندی پر دونوں کھڑے ہو گئے۔ لشکر اسلام اپنے قبیلوں کے سرداروں کی قیادت میں گزر رہا تھا، اور یہ خوف و حیرت کے ملے جلے جذبات سے پوچھتا کہ تمہارے بھتیجے کا لشکر یہی ہے؟ عباس کہتے، نہیں۔ یہ فلاں

قبیلہ کا جتھا ہے۔ سب سے آخر میں جناب رسالتمآبؐ، جماعت بنی ہاشم کے ساتھ آتے نظر آئے۔ ابو سفیان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ عباسؓ! تمہارا بھتیجا بہت بڑی سلطنت کا بادشاہ ہو گیا۔ حضرت عباسؓ نے ڈانٹا۔ کمبخت! یہ حکومت نہیں، نبوت ہے۔

دیکھئے، بہ ظاہر اسلام لایا، لیکن دلی کیفیت وہی ہے۔ مجبور ہو کر رسولؐ کے سامنے سر خم کر دیا، اور شرک و بت پرستی کی محبت نہ گئی۔ یہ تھی منافقت جو وقت آنے پر گل کھلاتی رہتی۔ اسی وجہ سے اس کو "طلقا"، کہا جاتا تھا، یعنی رحم کھا کے اس کو آزادی دیدی گئی تھی، ورنہ اسلام سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ اس کا شمار "مؤلفۃ القلوب"، میں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کو مسلمانوں سے علٰحدہ رکھا جاتا تھا کہ ان کے شرک و نفاق کا زہر مسلمانوں میں نہ پھیلے۔ مال غنیمت سے دُہرا حصہ دے کر دلجوئی کی جاتی تھی کہ اس لالچ سے سر نہ اٹھا سکیں، اور مسلمان امن و امان سے رہیں۔ نیز ان سے خلط ملط نہ ہونے سے سچے مسلمان بن جائیں۔

اس کے اسلام کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ ۶ر شوال ۸ھ مطابق ۶۳۰ء کو غزوۂ "حنین"، پیش آیا۔ شروع جنگ میں مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، اور سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ابو سفیان نے کہا، بس جادو ختم ہو گیا (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۸۹ مطبع نولکشور۔ لکھنؤ)

اشارہ ہے آنحضرتؐ کی طرف کہ نعوذ باللہ، ساحر و جادوگر تھے۔

"جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل مکہ کا چھپا ہوا بغض و کینہ ظاہر ہو گیا۔ ابو سفیان نے کہا، یہ لوگ سمندر کے کنارے پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ (ابو الفدا)

اس نے "صفوان"، سے کہا۔ مبارک ہو کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب بھاگ گئے۔ صفوان نے کہا تیرا ستیاناس ہو۔ ہمارے لئے محمدؐ کی فتح بہتر ہے یا کفار کی (مدارج النبوۃ ج ۲)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے جنگ حنین میں ان نومسلموں کو بھی مال غنیمت دیا جو "مولفۃ القلوب" تھے، جن میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ بھی تھا (مروج الذہب ج ۵ ص ۸۱)

ایک دفعہ ابوسفیان گدھے پر سوار تھا۔ اس کا بڑا بیٹا یزید[1]، گدھے کو ہنکا رہا تھا، اور دوسرا بیٹا معاویہ کھینچ رہا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ خدا اس سوار نیز ہنکانے والے اور کھینچنے والے پر لعنت کرے (طبری ج ۲ ص ۳۵۷)

---

[1] یہ وہی یزید ہے جو دمشق کا گورنر ہوا، اس کے مرنے کے بعد معاویہ کو گورنر بنایا گیا۔ پھر شام میں بنی امیہ کی حکومت مستحکم ہو گئی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے "حضرت ابوبکر نے ملک شام پر فوج کشی کا تہیہ کیا، اور یزید بن ابی سفیان کو تقریباً ستائیس ہزار لشکر پر امیر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ ان کے ساتھ سہیل بن عمرو اور ان کے شیوخ قریش تھے۔ سپاہ قیصر روم اور لشکر عرب سے ملک شام میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، اور عرب نے بتدریج ملک شام کو آخر ۱۵ھ تک فتح کر لیا، اور شروع سے برابر ہر خطۂ مفتوحہ، زیر نگین خاندان ابی سفیان آ رہا اور یزید بن ابی سفیان بالاستقلال فرمانروا رہے۔ (دور استبداد سید غضنفر علی مرحوم)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ذی الحجہ ۱۹ھ میں یزید نے دنیا سے رحلت کی۔ حضرت عمر کے پاس ان کی خبر وفات ایسے وقت پہنچی، جب ابوسفیان دربار خلافت میں موجود تھا۔ حضرت عمر نے خط پڑھ کر ابوسفیان کو تعزیت پیش کی۔ بیٹے کی خبر موت سنکر ابوسفیان کو سب سے پہلے دمشق کی حکومت کا خیال آیا۔ پوچھا کہ آپ یزید کی جگہ پر کس کو مقرر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا اُس کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے خوش ہو کر کہا کہ حضور نے قرابت داری کے حق کا لحاظ کیا۔ معاویہ کو والی دمشق تسلیم کرنے کے ساتھ ہزار اشرفی ماہوار گورنری کی تنخواہ مقرر ہوئی (استیعاب ج ۱ ص ۲۵۳ منقول) بقیہ ص ۱۴ پر ملاحظہ ہو۔

۲۸ صفر ۱۱ھ کو آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی، اور حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو ابوسفیان نے اسلام پر پہلا حملہ اس طرح کیا کہ حضرت علیؑ سے کہا۔ افسوس!! تمہارے ہوتے، اس مسند خلافت پر دوسروں نے قبضہ کرلیا۔ ہاتھ بڑھاؤ، تمہارے ہاتھ پر بیعت کردوں۔ خدا کی قسم! کہو تو تمہاری مدد کے لئے، مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھردوں۔ حضرت علیؑ نے ڈانٹ کر کہا، اس سے تیرا مقصد فتنہ برپا کرنا ہے۔ تو ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا (صواعق محرقہ ص۳۷ طبری ج ۳ ص ۲۰۲-۲۰۳)

اگر جناب امیرؑ پر جادو چل گیا ہوتا، اور اس کے کہنے میں آجاتے تو اسلام کا جھلملاتا چراغ گل ہوجاتا، اور نوزائیدہ مسلم حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتی۔ یقیناً اس کی ریشہ دوانی سے اسلامی شیرازہ درہم برہم ہوجاتا۔ مگر آپؑ کی دور رس نگاہیں، معاملہ کی تہ کو پہنچ گئیں، اور دو ٹوک جواب دیدیا۔

۱۳ھ میں جنگ "یرموک" ہوئی۔ ابوسفیان خاموش تماشائی تھا۔ رومیوں کا پلہ بھاری ہوتا تو خوشی سے باچھیں کھل جاتیں، اور منہ سے نکل جاتا "وہ مارا" شاباش ملک روم کے بہادرو! جب مسلمانوں کا غلبہ ہوتا تو منہ پر ہوائیاں اڑنے لگتیں، چہرے پر مردنی چھا جاتی۔ حسرت و یاس کے ساتھ کہتا۔ افسوس! سلطنت روم کے بادشاہوں کا جاہ و جلال مٹتا نظر آتا ہے۔ عبد اللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے کہا۔ خدا اسے غارت کرے۔ یہ نفاق سے باز نہ آئے گا۔ کیا رومی ہم سے بہتر ہیں؟

بقیہ ص۱۲ کاش حضرت ابوبکر اور حضرت عمر۔ دونوں بھائیوں یزید اور معاویہ کو شام کا حاکم نہ بناتے۔ یقیناً خاندان رسالت تباہی سے بچ جاتا۔ ان کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور آنے سے آل رسولؐ سکھ کی نیند نہ سوسکے، اور تباہ ہوگئے۔ فتنہ و فساد کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ اُن کا حاکم دمشق ہونا واقعۂ کربلا کا پیش خیمہ تھا۔

حضرت علیؑ کا بھی یہ خیال تھا کہ ابوسفیان دل سے ایمان نہیں لایا، بلکہ اس کا اسلام، مطلب برآری کا ذریعہ، اور خوف و دہشت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جب "حبیب بن مسلمہ" اور "شرحبیل بن سمط" معاویہ کے سفیر ہو کر حضرت علیؑ کے پاس گئے تو آپ نے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ معاویہ اور اس کے باپ کو رسولؐ نے بروز فتح مکہ رعایتہً آزاد کر دیا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ خدا اور رسولؐ اور مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں۔ یہ مجبور ہو کر اسلام میں داخل ہوئے تھے (طبری ج ۳ ص ۷)

بے دینی کا یہ عالم تھا کہ قیامت اور حشر و نشر کا بھی قائل نہ تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ اس کے بعد زندگی ہے اور نہ کسی قسم کا حساب، بازپرس۔ وہ دوروزہ زندگی پر اتراتا، اور پھولا نہ سماتا۔

۳ محرم ۲۴ھ کو حضرت عثمانؓ کی بیعت ہوئی۔ ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر کہا۔ بہت انتظار کے بعد، خلافت تم کو ملی ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق گیند کی طرح گردش دو، اور بنی امیہ کے ذریعہ حکومت کی بنیادیں مضبوط کرو۔ دنیا کے سوا، جنت و دوزخ کچھ نہیں (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۹ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶)

لطیفہ۔ آخر عمر میں اندھا ہو گیا تھا۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک صحبت میں حضرت علیؑ اور ابوسفیان وغیرہ بیٹھے تھے۔ لیکن ابوسفیان کو حضرت علیؑ کی موجودگی کی خبر نہ تھی موذن نے کہا "اشہد ان محمداً رسول اللہ" ابوسفیان نے پوچھا یہاں کوئی غیر تو نہیں ہے؟ کہا گیا، نہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ خدا بھلا کرے محمدؐ کا۔ دیکھو اپنا نام کہاں رکھا ہے کہ پانچ وقت لیا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ خدا تجھے غارت کرے۔ خود خدا نے اُن کا نام بلند کیا ہے۔ "ورفعنا لک ذکرک"، ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ خدا اسے غارت کرے، جس نے کہا۔

یہاں کوئی غیر نہیں ہے (مروج الذہب ج ۶)

ابوسفیان مختلف پیشہ کرتا تھا۔ روغن زیتون اور چمڑے کی تجارت بھی کرتا تھا۔ (حیوۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص ۲۶۹ مطبع مصطفے الشاہین۔ مصر)

قیس بن سعدؓ صحابی نے معاویہ کو طعن آمیز خط لکھا، جس میں یہ بھی تھا۔ اے معاویہ! تیرا باپ یہودیوں کی عبادت گاہ میں دو تارہ بجاتا اور پانی پہنچاتا تھا۔ کوئی اور پانی کھینچنے پھر پر چڑھتا تو اس سے لڑ جھگڑ کر سب پانی کھینچ لیتا تھا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل ج ۶ ص ۸۵)

یہ روایت بتاتی ہے کہ ڈفالی اور بہشتی کا پیشہ بھی کرتا تھا۔

بڑے درجہ کا کنجوس، مکھی چوس تھا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہند بنت عتبہ نے خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! ابوسفیان بہت بخیل ہے۔ اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ اس کے مال سے اس قدر چرا لیتی ہوں کہ اس کو پتہ نہیں چلتا (صحیح مسلم ج ۲ کتاب الاقضیہ۔ قضیہ ہند)

۳۲ھ میں بزمانۂ خلافت عثمان بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔ مدینہ میں بمقام بقیع دفن ہوا۔

ہر آنکہ زاد بہ ناچار بایدش نوشید — زجام دہر مئے کل من علیہا فان

ہند

نام ہند۔ باپ کا نام عتبہ۔ ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں تھی۔ اس کی شادی

حضرت علیؑ نے بروز بدر، ہند کے باپ عتبہ بھائی ولید اور بیٹے حنظلہ کو قتل کیا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو قتل کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے بہت سے بنی امیہ کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

"فاکہ بن مغیرہ قریشی" سے ہوئی تھی۔ اس کو "ہند" کی عصمت اور پاک دامنی پر شک ہوا۔ اس نے ہند کو ٹھوکریں مار کر گھر سے نکال دیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا تو ہند کے باپ نے بیٹی سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ صاف بتادو۔ اگر فاکہ تم کو متہم کرنے میں سچا ہے تو ہم کسی شخص سے کہدیں گے، وہ فاکہ کو قتل کر دیگا اور ہم بدنامی سے بچ جائیں گے (تاریخ اسلام ج ۲ ص۲۵ مطبوعہ کراچی)

پھر اس کی شادی ابوسفیان سے ہوئی۔

۱۴ شوال ۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۵ء بروز جمعہ یا شنبہ، ابوسفیان جنگ "احد" میں چلا ہے تو تین ہزار مسلح اور سات سو زرہ پوش سپاہی تھے۔ فوج کے عقب میں ہند چل رہی تھی، جس کے ہمراہ مکّہ کی پندرہ عورتیں تھیں۔ ہاتھوں میں ڈھول تھے، اور میدان جنگ میں ڈھول بجا کر سپاہیوں کی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔

مدینہ کے قریب، قریہ "ابواء" ہے، جہاں رسولِ خداؐ کی والدۂ ماجدہ حضرت "آمنہؑ" کی قبر ہے۔ ہند کو خاندان رسالت سے ایسی سخت عداوت تھی کہ اس نے چاہا، قبر سے ہڈیاں نکال کر بے حرمتی کرے تو یہ مشکل روکی جا سکی۔

اسی جنگ میں رسولِ خداؐ کے چچا حضرت حمزہؑ شہید ہوئے تو یہ حدودِ انسانیت سے گذر گئی۔ حضرت حمزہؑ کا پہلو چاک کرا کے جگر نکلوایا، اور چبانے کی کوشش کی، مگر نگل نہ سکی۔ پھر ناک اور کان وغیرہ کاٹ کے ہار بنایا، اور گلے میں پہنا۔ اسی لئے اس کو "ہند جگر خوارہ" کہا جاتا ہے۔

ابن عبد البر لکھتے ہیں "ہند نے حضرت حمزہؑ کا جگر بھون کر کھالیا" (استیعاب ج ۲ ص۷۸۶)

مولانا شبلی رقمطراز ہیں "خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاش سے بدلہ لیا۔ ان کے ناک کان کاٹ لئے۔ ہند (معاویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا، اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی، اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اگل دینا پڑا۔" (سیرت النبی ج ۱ صـ ۲۰۳)

"ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا، یعنی ناک وغیرہ کاٹ ڈالے، آنکھیں نکال لیں، اور سینہ چاک کر کے جگر کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبا لیا، نگل نہ سکی، اس لئے اگل دیا۔ اسی لئے اس کا لقب "جگر خوارہ" رکھا گیا (رسالہ مولوی صفر ۱۳۷۲ھ صـ ۱۹)

"آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گذرتے تھے، گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب عزیز و اقارب، ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا "اما حمزۃؓ فلا بواکی لہٗ"، لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ گئے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولتکدۂ

حضرت حمزہؓ۔ والد کا اسم گرامی حضرت عبدالمطلب۔ جناب رسولِ خداؐ کے سوتیلے چچا تھے۔ ماں "ہالہ بنت وہب" آنحضرتؐ کی والدہ کی چچازاد بہن تھیں، اس لئے آنحضرتؐ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے۔ "ثویبہ" نے حضرت حمزہؓ اور آنحضرتؐ کو دودھ پلایا تھا، اس طرح دونوں حضرات دودھ شریک بھائی ہوئے۔ آنحضرتؐ سے دو برس بڑے تھے۔ شہادت کے وقت ۵۷ سال کی عمر تھی۔

سنہ ۴۰ھ میں معاویہ نے نہر کھدائی۔ درمیان میں شہداء احد کی قبریں تھیں۔ ورثاء نے فریاد کی کہ لاشیں نہ کھدیں، لیکن ان کی چیخ پکار "صدا بہ صحرا" ثابت ہوئی۔ حضرت حمزہؓ کی قبر کھدنے لگی تو بیلچہ پیر میں لگا، جس سے خون جاری ہو گیا (اصابہ ج ۲ صـ ۳۷ ترجمہ اسد الغابہ ج ۳ صـ ۶۹ مطبوعہ لکھنؤ)

پر جاکر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان کی بھیڑ، اور حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی، اور فرمایا۔ میں تمہاری ہمدردی کا شکرگزار ہوں" سیرت النبی ج ۱ ص ۲۸۳)

فتح مکہ کے دن یہ بھی اسلام لائی۔ مکہ کی عورتیں رسولؐ کی خدمت میں آئیں تو یہ بھی بھیس بدل کر اس حال سے چلی کہ نازک مزاجیاں حسن برہم کی عشوہ طرازیوں سے کم نہ تھیں مصنوعی عتاب سے جبین ناز پر شکنیں رقص کر رہی تھیں۔ لال بھبوکا مکھڑا اور سرخ ہوگیا تھا، جس سے حسن کی برہمی اور زیادہ ہوگئی۔

چونکہ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں اپنی اولادوں کو قتل کر دیتی تھیں، لہٰذا آپؐ نے فرمایا۔ آئندہ سے اپنی اولادوں کو قتل نہ کرنا۔ ہند بھڑ کر بولی۔ ہم نے بچپن میں اپنی اولادوں کی پرورش کی۔ جب بڑے ہوئے تو تم نے اُن کو جنگ بدر میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ نیک کاموں میں میرا کہنا ماننا۔ ہند نے کہا۔ کیا ہم آپ کے پاس نافرمانی کرنے آئے ہیں؟ بعد ازاں آپؐ نے چوری کرنے سے منع کیا۔ اس نے کہا۔ قسم بخدا! میں نے زندگی میں کبھی چوری نہیں کی۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں۔ ابوسفیان موجود تھا۔ اب آپ نے جانا کہ یہ ہند ہے۔ فرمایا۔ کیا تو ہند ہے؟ عرض کی۔ جی ہاں یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا۔ خبردار! زنا نہ کرنا۔ اس نے کہا۔ کیا آزاد عورت زنا بھی کرتی ہے؟ حاضرین بزم کا بیان ہے

۱؎ "یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین" اے رسولؐ! جب تمہارے پاس مومنات بیعت کیلئے آئیں تو اس شرط کے ساتھ بیعت کریں کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں نیز چوری اور زنا نہ کریں (پ ۲۸ س ممتحنہ۔ رکوع ۲)

کہ رسول اللہؐ یہ سنتے ہی حضرت عباسؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے (الفخری صـ۹۴ مطبوعہ مصر)

آنحضرتؐ کا حضرت عباسؓ کی طرف دیکھ کر مسکرانا معنی رکھتا ہے۔ راز طشت از بام کرنے کے لئے مصلحت مانع ہے، ورنہ وہ نقاب کشائی ہوتی کہ دنیا دنگ رہ جاتی۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در محفلِ رندان خبرے نیست کہ نیست

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات

بخواست جامِ مے و گفت راز پوشیدن

مولانا شبلی لکھتے ہیں "ہند فتح مکہ میں اسلام لائی۔ لیکن جس طرح اسلام لائی، عبرت انگیز ہے" (سیرۃ النبی ج ۱ صـ۲۸۰)

۱۔ معاویہ

نام معاویہ "ابن جگر خوارہ" بھی کہے جاتے ہیں، کنیت ابو عبدالرحمان۔ باپ ابوسفیان۔ ماں ہند۔ ہجرت سے اٹھارہ سال قبل، مکہ میں پیدا ہوئے۔ قد لمبا رنگ گورا۔ خوبصورت۔ ڈاڑھی میں مہندی اور زعفران سے خضاب لگاتے تھے۔ فتح مکہ کے دن اپنے باپ کے ساتھ اسلام لائے یہ بھی "مولفۃ القلوب" میں تھے (تاریخ الخلفاء صـ۱۳۵ مطبع مجیدی کانپور)

ان کے بڑے بھائی "یزید ابن ابوسفیان" شام میں حضرت عمر کے گورنر تھے۔ بیماری پھیلی، اور مر گئے۔ ابوسفیان دربار خلافت میں موجود تھا کہ حضرت عمر کو خبر مرگ ملی۔ اسی وقت اُن کی جگہ، معاویہ کو شام کا گورنر بنا دیا۔ آگے چل کر

گورنری نے شہنشاہیت کی صورت اختیار کرلی۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

(معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو دیوار، آسمان تک ٹیڑھی ہی رہتی ہے)

عام طور پر سلاطین بنی امیہ کو "خلفاء" کہا جاتا ہے۔ لیکن علماء و مورخین ان کو "شاہان بنوامیہ" کہتے ہیں۔ اس حکومت کی بنیاد، معاویہ نے ڈالی آخر یہی حکومت معاویہ کے لئے اعمال بد کی طرح بار دوش ہو گئی۔

پیشوائے اہلحدیث مولوی وحید الزماں المخاطب بہ وقار نواز جنگ حیدر آبادی فرماتے ہیں "معاویہ اور ان کے بعد کے تمام فرمانروا، بادشاہ ہیں نہ کہ خلیفہ۔ سلطنت ۴۱ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک ۹۲ سال رہی۔ بنی امیہ کے تخت نشین ہو جانے سے صرف خاندان ہی کا تبادلہ نہیں ہوا، بلکہ اصل اصول کی کایا پلٹ گئی۔ بدعتوں کا آغاز ہو گیا" (ہدایت المہدی ص ۹۴)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم تحریر فرماتے ہیں "بنوامیہ کی حکومت، ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو، کبھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کر دیا، اور مشورہ نیز اجماع امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و فریب پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت، شریعت الٰہیہ پر مبنی نہ تھا، بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد فاسدہ پر اس کی تمام تر بنیاد تھی۔" (اسوۂ حسینؑ)

"یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلفائے بنی اُمیہ، شہنشاہ تھے۔ صحیح معنی میں خلفائے راشدین کے جانشین نہ تھے، کیونکہ خلافت حقیقی معنوں میں اسلامی حکومت تھی۔ اس عہد خجستہ کے بعد، جو حکومت قائم ہوئی، وہ شہنشاہی تھی۔ امیر معاویہ، حکومت بنی امیہ کے بانی مبانی تھے۔" (مولوی فروری ۵۶ء ص ۱۶)

"خلافت راشدہ کے بعد، زمام حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ آئی۔ انھوں نے خلافت کو حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پہلا نظام سیاسی بدل کر شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ان کے بعد لوگوں نے سیاسی مصلحتوں کے سامنے، مذہبی اصول ثانوی درجہ پر رکھدیئے۔" (ص۱۱)

زمام سلطنت سنبھالتے ہی زر و جواہر کی بارش کر دی، جس سے سرزمین شام پر دھن برسنے لگا۔ اس داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ اہل شام، معاویہ کے اتنے مطیع ہو گئے کہ جنگ صفین میں جاتے ہوئے، بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی، اور کوئی کچھ نہ بولا (مروج الذہب ج ۲ ص۷۲)

جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال، اس دور کے مسلمانوں کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سب سے زیادہ لالچی اور مکار معاویہ بن ابوسفیان تھا۔ اس نے مکر و فریب، حیلہ سازی اور دغابازی سے نیز خزانہ کا منہ کھول کر اور روپئے کی بارش کر کے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔" (تاریخ التمدن الاسلامی ج ۴ ص۸۲)

لطیفہ:۔ "شریک ابن اعور" بدصورت انسان تھے۔ لیکن اپنے قبیلہ کے سردار اور حضرت علیؑ کے دوست تھے۔ ایک دن اکڑتے ہوئے دربار معاویہ میں پہنچے تو معاویہ نے کہا۔ تم بدصورت ہو، اور بدصورت سے خوبصورت بہتر ہوتا ہے۔ تم شریک ہو، اور اللہ کا کوئی شریک نہیں، تمہارا باپ اعور (کانا) ہے، اور دو آنکھوں والا، کانے سے بہتر ہوتا ہے۔ پھر تم اپنے قبیلہ کے سردار کیسے ہو گئے؟

شریک نے جواب دیا۔ تمہارا نام معاویہ ہے، جس کے معنی ہیں وہ کتیا جو ہر وقت بھونکتی رہتی ہے۔ تمہارا باپ صخر (سخت) ہے۔ اور سخت سے نرم بہتر ہوتا ہے۔ تمہارا دادا حرب (لڑائی) ہے۔ اور جنگ سے صلح بہتر ہے۔ تمہارا پردادا امیہ ہے،

اُمیہ تصغیر ہے اَمَۃ لونڈی اکی۔ اور کنیز سے آزاد بہتر ہوتی ہے۔ پھر تم مسلمانوں کے سردار کیسے ہو گئے؟ (ثمرۃ الاوراق ص۴۵)

لطیفہ:۔ ایک روز معاویہ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ گوز نکل گیا۔ بولے، خدا کا شکر ہے کہ ریاح صادر ہونے میں راحت کا سامان مہیا کیا۔ کسی نے کہا۔ لیکن منبر پر گوز کرنا سخت بدتمیزی ہے (کتاب الاذان ص۵)

لطیفہ:۔ ایک کوفی کسی ضرورت سے اپنے اونٹ پر شام گیا۔ کسی شامی نے دعویٰ کیا کہ یہ اونٹنی میری ہے۔ پچاس آدمیوں نے معاویہ کے سامنے گواہی دی کہ یہ اونٹنی مدعی کی ہے۔ معاویہ نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ مدعا علیہ نے کہا۔ حضور! یہ تو دیکھ لیا جائے کہ مال مسروقہ اونٹ ہے کہ اونٹنی؟ معاویہ نے کہا۔ بس، فیصلہ ہو چکا۔ اپیل کی گنجائش نہیں۔ پھر کوفی کو تنہائی میں بلا کر اونٹ کی دوگنی قیمت دی۔ اور کہا علیؑ سے کہدینا۔ معاویہ کے پاس ایک لاکھ آدمی ایسے ہیں جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے (مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب ج ۲ ص۴۲۵ مطبوعہ ازہر۔ مصر)

لطیفہ:۔ حضرت علیؑ کے ایک بھائی حضرت عقیلؑ بڑے حاضر جواب تھے۔ ایک دفعہ معاویہ نے اہل دربار سے کہا۔ یہ عقیلؑ ہیں، جن کا چچا ابولہب تھا۔ حضرت عقیلؑ نے فرمایا۔ یہ معاویہ ہیں، جن کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی (ثمرۃ الاوراق ص۱۱۵ تاریخ الخلفاء ص۱۴۳)

حضرت علیؑ چار حقیقی بھائی تھے۔ طالب، حضرت علیؑ سے ۳۰ برس بڑے۔ سب سے بڑے تھے، اسی لئے آپ کے والد کی کنیت "ابوطالب" تھی۔ دوسرے حضرت عقیلؑ، جو حضرت علیؑ سے ۲۰ برس بڑے تھے۔ ولادت ۵۹۰ء۔ کنیت "ابویزید"۔ اس میں اختلاف ہے کہ دربار معاویہ میں بزمانہ حضرت علیؑ گئے یا آنجناب کی شہادت کے بعد۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے زبردست دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت

بقیہ ص۲۴ پر

حضرت عثمان ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو قتل ہوئے۔ اُسی دن حضرت علیؑ کی بعیت ہوئی، اور آپ ظاہری مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس روز تحویل آفتاب برج حمل میں تھی۔ یکے بعد دیگرے تمام اسلامی ممالک نے بیعت کر لی، سوائے اہل شام کے جو معاویہ کے زیر اثر تھے۔ حضرتؑ نے "جریر بن عبد اللہ بجلیؓ" کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ راہ راست پر لائیں، مگر وہاں تو تحصیل حکومت کا نشہ ایسا چڑھا تھا جسے وعظ و نصیحت کی ترشی نہ اتار سکی۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ معاویہ نے عمرو عاص کے کان میں حکومت مصر کا منتر پھونک دیا کہ حضرت علیؑ پر فتح پانے کی صورت میں، مصر تمہاری جاگیر قرار پائے گا۔ پہلے تو ٹال مٹول کی۔ آخر عاقل و دانا طائر، دانہ دیکھ کر

کے بعد معاویہ کے پاس گئے (شرح نہج البلاغہ ج ۲ صـ۲ مطبوعہ مصر)

تیسرے حضرت جعفرؓ، جو جناب امیرؑ سے ۱۰ برس بڑے تھے۔ چوتھے حضرت علیؑ ان سب کی والدہ گرامی قدر "فاطمہ بنت اسد" تھیں۔

"ابولہب" حضرت عبد المطلب کا بیٹا اور حضرت رسولؐ خدا کا سوتیلا چچا تھا۔ غزوہ "بدر" میں شریک نہیں ہوا۔ لیکن اپنے عوض دوسرے کو بھیجدیا۔ شکست کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ لاش میں اس قدر بدبو تھی کہ کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ مزدوروں سے لاش پھنکوائی گئی (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۱۳۱)

"حمالۃ الحطب" خطاب۔ ام جمیل نام "عورا" و "کافی" لقب۔ خطاب کی وجہ یہ ہے کہ گلے میں رسی رہتی تھی، اسی سے گلا گھونٹ کر مرگئی۔ ابولہب کی بیوی تھی۔ رسولؐ خدا کے راستے میں خاردار لکڑیاں ڈال دیتی تھی کہ اندھیرے میں الجھ جائیں۔ ان دونوں کی برائی کا تذکرہ پ ۳۰ میں ہے مولوی وحید الزماں مرحوم لکھتے ہیں جب سورۂ "تبت یدا" اتری تو ام جمیل کانی کمبخت ابولہب کی جورو، معاویہ کی پھوپھی ہاتھ میں ایک پتھر لئے ہوئے آئی یہ چیخ چلا رہی تھی، اور بڑے غصہ میں تھی کہ آنحضرتؐ نے میرے خاوند کی ہجو کی ہے۔ اسی پتھر سے ان کا سر کچل ڈالوں گی (انوار اللغۃ پ صـ۹۵ تفسیر درمنثور ج ۴ صـ۱۰۶)

دام تزویر میں آگیا۔ پھر کیا تھا، دیکھتے دیکھتے خون عثمان کے انتقام کا شوشہ چھوڑا گیا اور شہرت دی گئی کہ خون عثمان سے علیؑ کے ہاتھ رنگین ہیں۔

"نعمان بن بشیر انصاری"، حضرت عثمان کا خون آلود کرتہ لے کر دربار میں پہنچ چکے تھے جسے منبر پر اس غرض سے لٹکایا جاتا تھا کہ حضرت علیؑ کے خلاف شامیوں کا غیظ و غضب زیادہ ہو۔ یہ فتنہ و فساد کی آندھی ایسی اٹھی تھی جس سے اسلامی مملکت میں اندھیرا چھا گیا، اور معاویہ کی بغاوت نے صفین کی خونریز شکل اختیار کر لی۔

حضرت علیؑ ۲۵ شوال ۳۶ھ کو صفین کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ کے لشکر میں جلیل القدر مہاجر و انصار تھے۔ مثلاً حضرت عمارؓ بن یاسر، عبداللہ ابن عباسؓ، ابو ایوبؓ انصاری، ابو سعید خدری، زید ابن ارقم، عدی بن حاتم طائی، اویس قرنی تابعی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت علیؑ کے ساتھ، کم از کم بیس ہزار اصحاب رسولؐ تھے۔

"عبداللہ بن عمر" شریک جنگ نہیں ہوئے۔ اس لئے ہمیشہ افسوس کرتے رہے۔ آخر وقت میں کہتے۔ یہ حسرت لے کر دنیا سے جا رہا ہوں کہ میں نے علیؑ کی رفاقت میں باغیوں سے جنگ کیوں نہ کی؟ کاش! میں علیؑ کی طرف سے لڑتا (تحفہ اثنا عشریہ ص ۶۶۹)

نشان فوج حضرت قنبرؓ کے ہاتھ میں تھا (طبری ج ۵ ص ۲۲۶) ان کو حجاج بن یوسف ثقفی ظالم نے شہید کرایا۔

اس کے برخلاف معاویہ کے لشکر میں اصحاب رسولؐ نظر نہیں آتے، معدودے چند کے سوا۔ انصاف پسند دنیا فیصلہ کرے کہ حق کس کے ساتھ تھا، علیؑ کے ساتھ یا معاویہ کے ساتھ؟ حدیث میں ہے "علی مع الحق والحق مع علی" علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ۔

معاویہ کے مقدمۃ الجیش "ابو الاعور اسلمی" نے پہلے پہنچ کر گھاٹ پر قبضہ کر کے مسلمانوں پر پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ کے سپہ سالار "مالک اشترؓ" نے ایسا سخت

حملہ کیا کہ شامیوں کے چھکے چھوٹ گئے، اور گھاٹ پر علیؑ کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ معاویہ کو فکر ہوئی کہ اب لشکر پیاسا مر جائے گا، مگر عمرو عاص نے کہا۔ علیؑ کو اپنا جیسا نہ جانو۔ وہ عالی ظرف ہیں۔ کتوں پر بھی پانی بند نہ کریں گے، تم تو انسان ہو۔

غرضکہ روزانہ معرکۂ دار و گیر گرم ہوتا، اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ یہ سلسلہ تین مہینے تک جاری رہا، جس میں ۹۰ لڑائیاں ہوئیں۔

ایک روز جناب امیرؑ نے معاویہ سے کہا۔ اس خونریزی سے کیا فائدہ؟ آؤ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کر دے۔ اس سوال کے جواب میں معاویہ کے لبوں پر مہر سکوت تھی۔ لیکن عمرو عاص نے کہا۔ علیؑ نے انصاف کی بات کہی۔ تم کو مقابلہ کے لئے نکلنا چاہیئے۔ معاویہ نے کہا۔ سبحان اللہ! تم ہمیشہ میرے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ جانتے نہیں کہ یہ علیؑ ہیں۔ جو ان کی آگ جیسی تیز و تند شجاعت کے مقابل ہوا، وہ ہو گیا (الفخری صفحہ ۹۴)

لطیفہ: معاویہ تو میدان میں نہ آئے، لیکن عمرو عاص کو مقابلہ کے لئے مجبور کیا۔ وہ بہ ہزار دقت میدان میں آئے۔ حضرت علیؑ نے تلوار بلند کی تو خوف کے مارے گر پڑے ٹانگیں اوپر ہو گئیں، اور ننگے ہو گئے۔ جناب امیرؑ نے منہ پھیر لیا۔ وہ بخیریت واپس گئے۔ معاویہ نے کہا۔ مرد میدان! جانباز سپاہی! اپنی شرمگاہ کا شکریہ ادا کر، جس نے تیری جان بچالی۔ یہ کہکر قہقہہ لگایا اور عمرو عاص اپنا سا منہ لے کر رہ گئے (روضۃ الصفا)

"جنگ صفین میں بُسر بن ارطاۃ صحابی، حضرت علیؑ کے مقابل ہوئے۔ جناب امیرؑ نے نیزہ مارا تو بُسر ننگے ہو گئے۔ جناب امیرؑ نے منہ پھیر لیا، اور یہ جان بچا کر بھاگے"۔ (استیعاب ابن ابن عبد البرج ۱ صفحہ ۶۵)

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو یمن بھیجا۔ یہ ۶ ماہ وہاں رہے، اور کسی کو مسلمان نہ بنا سکے۔ پھر حضرت علیؑ کو بھیجا۔ آپؑ کی تبلیغ سے ایک ہی دن میں سارا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

بقیہ صفحہ ۲۷ پر

معاویہ نے عمرو عاص سے پوچھا۔ سب سے زیادہ عجیب چیز کیا ہے؟ جواب دیا۔ باطل کا حق پر غالب آجانا (یہ معاویہ پر چوٹ تھی کہ تم نے علیؑ کا حق مار لیا) معاویہ نے کہا نہیں بلکہ عجیب امر یہ ہے کہ غیر مستحق کو حکومت دیجائے (یہ عمرو پر طنز تھا کہ غیر مستحق ہوتے ہوئے تم کو حکومت مصر دی گئی (الفخری صفحہ ۹۶

جنگ صفین میں حضرت "عمار یاسر" بھی شہید ہوئے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ عمار! افسوس، تم کو باغی جماعت شہید کرے گی۔ تم ان لوگوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے، اور وہ تمکو جہنم کی دعوت دیں گے (تجرید بخاری حصہ اول صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ لاہور۔

بقیہ صفحہ ۱۶ آنحضرتؐ کو یہ سنکر اتنی خوشی ہوئی کہ بار بار قبیلہ ہمدان پر سلام بھیجا۔ السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان۔

حضرت علیؑ کے اس کارنامہ سے بنی امیہ جراغ پا ہو گئے۔ معاویہ کی سلطنت مستحکم ہو گئی تو انھیں بُسر بن ارطاۃ نے یمن کے مسلمانوں پر حملہ کرکے سب کو تہ تیغ کیا۔ اور اہل فوج بغیر عدہ و نکاح کے عورتوں کو تصرف میں لائے۔ ان کی خطا صرف یہ تھی کہ معاویہ کو ظالم و غاصب جانتے تھے، اور اطاعت نہ کی تھی۔

انھیں بُسر نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے دو کمسن بچے "عبد الرحمٰن" اور قثم کو ان کی ماں عائشہ بنت عبد المدان کے سامنے ذبح کر ڈالا جس کے صدمہ سے وہ دیوانی ہو کر بازاروں میں پھرتی تھیں۔ اسی جنون کے عالم میں انتقال کیا (اسد الغابہ ج ۱ صفحہ ۱۸۴) بیس ہزار شیعوں کو قتل کرا دیا۔

"عمار" یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسر" مکہ میں آئے۔ "ابو حذیفہ مخزومی" نے اپنی کنیز "سُمیہ" سے شادی کر دی، "عمار" انھیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی زمین پر لٹاتے، اور اتنا مارتے کہ بیہوش ہو جاتے۔ ان کے والد و والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ "ابو جہل" نے ان کی والدہ کو اسلام لانے کے جرم میں نیزہ مارا، جس سے وہ شہید ہو گئیں۔ "یاسر" حضرت عمار کے والد تھے، یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے (سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۱۶۹) بقیہ صفحہ ۲۹ پر

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں جنگ صفین میں حضرت عمار یاسرؓ شہید ہو گئے تو عمرو عاص نے شرمندہ و نادم ہوتے ہوئے معاویہ سے کہا۔ عمار شہید ہو گئے۔ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ ہماری جماعت نے ان کو قتل کیا ہے تو، ہم باغی ہوئے۔ معاویہ نے کہا تم عجیب آدمی ہو۔ درحقیقت ان کے قاتل علیؑ ہیں جو میدان جنگ میں لائے۔ علماء کا قول ہے۔ "یہ تاویل باطل ہے"

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۹۷)

جنگ احد میں حضرت حمزہؓ نیز دیگر شہداء شہید ہوئے۔ اسی طرح اور غزوات میں جو اصحاب شہید ہوئے سب کے ذمہ دار آنحضرتؐ ہیں، کیونکہ آنحضرتؐ ہی سب کو میدان جنگ میں لے گئے تھے، اور مشرکین ان شہداء کے شہید کرنے سے بری الذمہ ہیں۔ اعوذ باللہ من تلک الخرافات۔ ہو سکتا ہے "خطائے اجتہادی" کی سحر کاری ہو۔

بقول شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم "خطائے اجتہادی بھی عجیب قسم کا جُوا ہے، جس میں جیت بھی اپنا اور طاق بھی اپنا"۔ (امہات الامۃ)

مولوی وحید الزمان مرحوم فرماتے ہیں "تقتلہ الفئۃ الباغیۃ"۔ ان کو بغاوت

بقیہ ص ۲۷ ایک مرتبہ مشرکوں نے ان کو اتنا مارا کہ مجبور ہو کر ان کو نبیؐ کی برائی اور ان کے معبودوں کی تعریف کرنا پڑی۔ جب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟ عرض کی۔ دل تو ایمان پر قائم ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایسا موقع آجائے تو تم پھر ایسا ہی کرنا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۷، ص ۶۱ مطبوعہ لکھنو۔ استیعاب ج ۲ ص ۴۳۵)

مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب عمار یاسرؓ کو تقیہ کا حکم دیا۔ (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۴)

جنگ صفین میں ربیع الثانی ۳۷ھ میں بعمر ۹۴ سال شہید ہوئے۔

کرنے والا گروہ قتل کرے گا، اور وہ معاویہ کی جماعت تھی۔ جس نے عمار کو قتل کیا۔ معلوم ہوا کہ معاویہ کا گروہ باغی تھا جو امام برحق کے خلاف اور حق سے منحرف ہو گیا تھا۔ اسی کے ہاتھوں حضرت عمارؓ یاسرؓ شہید ہوئے (انوار اللغۃ پ ۲ ص ۸۵ مطبوعہ بنگلور)

جب عمارؓ یاسرؓ شہید ہو گئے تو ہر ایک دعویٰ کرتا تھا۔ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔ عمرو عاص نے کہا۔ کیوں دوزخ کے لئے جھگڑ رہے ہو (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۶)

حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد "حذیفہ بن ثابت انصاری ذو الشہادتین" نے تلوار کھینچ لی، اور کہا۔ بقول رسولؐ اللہ، معاویہ باغی ثابت ہو گیا ہے۔ لشکر معاویہ پر حملہ کیا، اور شہید ہو گئے (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۶)

اسی جنگ میں حضرت علیؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے حضرت اویس قرنی تابعی بھی شہید ہوئے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ عین موقع جنگ میں حضرت علیؑ کی نگاہ آفتاب پر ہے ابن عباسؓ نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا۔ دیکھتا ہوں، نماز ظہر کا وقت آیا کہ نہیں؟ ابن عباسؓ نے عرض کی۔ یہ نماز کا وقت ہے؟ جنگ تو ہو رہی ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ ہم اسی نماز کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کے نزدیک، معاویہ مسلمان بھی نہ تھے، ورنہ نماز کے لئے معاویہ سے جنگ کرنا چہ معنی؟

حضرت "حذیفہ بن یمان" جلیل القدر صحابی تھے۔ آنحضرتؐ ان پر اتنا اعتماد کرتے کہ مسلمان منافقوں کے نام، ان کو بتلا دئے تھے۔ ان کے دو بیٹوں "سعید" اور "صفوان" اپنے باپ کی وصیت کے مطابق، حضرت علیؑ کی رفاقت میں شہید ہوئے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۰۳

حضرت "ابو سعید خدری صحابی" فرمایا کرتے۔ منافق کی پہچان ہے علیؑ سے دشمنی

رکھتا جو علیؑ کا دشمن ہوتا ہم جان لیتے کہ یہ منافق ہے (خصائص نسائی ص۱۹ مطبوعہ مصر، صواعق محرقہ ص۷۳)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے ہم کو ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کسی نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ! ہم کس کی رفاقت میں ان کے ساتھ جنگ کریں گے؟ فرمایا، علیؑ کی رفاقت میں، جن کی رفاقت میں عمارؓ شہید ہوں گے (اسد الغابہ ابن اثیر)

ناکثین، سے اہل جمل، قاسطین سے اہل صفین (معاویہ) اور مارقین سے خوارج مراد ہیں۔ (انوار اللغۃ پ۲۵ ص۱۲۵ سیرۃ محمدیہ ص۴۵۹ مطبوعہ مصر)

وہ شب جمعہ جو "لیلۃ الھریر" کے نام سے مشہور ہے، اس رات اور صبح کو جناب امیرؑ نے ۵۲۳ آدمی قتل کئے۔ آپ کے سالار لشکر حضرت "مالک اشتر بن حارث نخعی" نے ایسا سخت حملہ کیا کہ فوج مخالف چیخ اٹھی۔ ہمارے بچوں اور عورتوں کا انجام کیا ہوگا؟ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا۔ کوئی تدبیر کرو، ورنہ حکومت گئی۔ انھوں نے مکر کا تیر چلایا اور وہ نشانہ پر بیٹھا۔ اہل شام کو حکم دیا، جس کے پاس قرآن ہو، نیزہ پر بلند کرے۔ معاویہ کی سپاہ کا علم سرنگوں ہوگیا، لیکن اس کے بجائے نیزوں پر ۵۰۰ قرآن بلند ہوگئے، اور آواز سنائی پڑنے لگی۔ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے (مروج الذہب مسعودی)

حضرت علیؑ کے لشکر میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اسی وقت کے لئے رشوت لے چکے تھے۔ انھوں نے حضرت علیؑ پر زور دیا کہ مالک اشتر کو میدان سے واپس کرو، اور جنگ بند کردو، ورنہ ہم ہی تم کو قتل کردیں گے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں بندگان خدا! حق و صداقت پر قائم رہو، اور دشمنوں سے جہاد کرتے رہو۔ معاویہ اور عمرو عاص وغیرہ، دیندار اور قرآن کے پابند نہیں ہیں میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے ان کے ساتھ بچپن اور جوانی گزاری ہے۔ یہ

بدترین انسان ہیں۔ یہ قرآن کو حکم بناتے ہیں، حالانکہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس میں کیا ہے؟ انھوں نے اس کو صرف مکر، فریب اور دھوکہ دینے کے لئے بلند کیا ہے۔" (طبری ج ۳ ص۲۷)

"شامیوں کا قرآن اٹھانا مصالحت کی غرض سے نہیں، بلکہ بطور ایک جنگی تدبیر کے تھا۔" (تاریخ الامت ج ۲ ص۱۹۱ مصنفہ حافظ مولوی محمد اسلم جیراجپوری)

انجام کار "مالک اشتر" بلائے گئے، اور لڑائی کا پانسہ ایسا پلٹا کہ جیتی ہوئی جنگ بلا فیصلہ کے رہ گئی۔ اگر کچھ دیر لڑائی اور رہتی تو تاریخ کے صفحات پر علیؑ کی فتح لکھی جاتی۔

تاریخ کا سیاہ باب یہ ہے کہ طلب خون عثمان کے بہانے، نوے ہزار مسلمانوں کا خون بہا۔ مگر جب بلا شرکت غیرے معاویہ کا سکہ رواں ہوا تو کسی قاتل سے انتقام نہ لیا گیا، اور نہ کسی کی تلاش ہوئی۔ نہ کبھی مطالبہ خون عثمان سے زبان آشنا ہوئی۔ ممکن ہے یہ بھی "خطائے اجتہادی" کی شعبدہ گری ہو۔

انصاف پسند انسان نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ سب حکومت حاصل کرنے کا ڈھونگ رچا گیا تھا۔ یہ تھی مہذب دنیا کی اصطلاح میں سیاسی چال یا معاویہ کی ڈپلومیسی، اور تعزیرات ہند میں چار سو بیس۔ درحقیقت معاویہ نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔

حضرت عثمان سے ہمدردی تھی تو محاصرہ کے زمانے ہی میں مدد کرتے۔ محاصرہ ایک دو دن نہیں، پورے چالیس دن رہا۔ شاید شام سے امدادی فوج بھی بھیجی گئی تھی، مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ مدینہ نہ جانا، راستہ میں قیام کر کے حکم ثانی کا انتظار کرنا۔ یہ تھا تاریخ کا سیاہ باب جو مختصراً پیش کیا گیا۔

یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ معاویہ نے دوستداران علیؑ کے خون کے گارے اور

اُن کی ہڈیوں کی اینٹوں سے حکومت اموی کی عمارت تعمیر کی۔ یہ ہے معمولی نقشہ حکومت اموی کا جس میں یہ کشت وخون ہوا۔ دراصل اموی سلطنت کے تخت کے پائے خون کی دلدل پر قائم کئے گئے تھے، جیسا کہ اس بیان میں ہلکی سی جھلک آپ دیکھ چکے۔ آگے بھی آپ کو ایسی ہی خونیں ندی سے گذرنا ہوگا۔

لطیفہ: "عامر بن واثلہ صحابی" نے بیان کیا کہ "ابوالطفیل" معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے پوچھا۔ کیا تم عثمان کے قاتلین میں نہیں ہو؟ جواب دیا۔ قاتلین میں نہیں ہوں۔ مگر ان میں ضرور ہوں جو موجود تھے۔ پوچھا۔ تم نے مدد کیوں نہ کی؟ کہا۔ مہاجرین وانصار نے مدد نہ کی، لہٰذا میں بھی باز رہا۔ معاویہ نے کہا۔ ان پر عثمان کا حق تھا، لہٰذا مدد کرنا واجب تھا۔ ابوالطفیل نے کہا۔ تم نے کیوں مدد نہ کی؟ حالانکہ تمہارے ساتھ اہل شام تھے۔ معاویہ نے کہا۔ میرا طلب خون عثمان ہی ان کی مدد کرنا ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوالطفیل ہنسی کے مارے لوٹ گئے، اور کہا۔ تم اور عثمان!! پھر اس مطلب کا شعر پڑھا۔

تو لے میرے مرنے کے بعد گریہ وزاری کی، حالانکہ زندگی میں آب وطعام بھی نہ دیا۔ جو تیرے ذمہ واجب تھا (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۰)

موقع کی مناسبت سے ان چند جانباز خواتین کا مختصراً تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، جنھوں نے معاویہ کی قیصریت اور ملوکیت کو ٹھوکر لگا دی۔ مثلاً "سودہ بنت عمارہ"، "ازرقا بنت عدی"، "بکارۃ الہلالیہ"، "عکرسہ بنت الاطش" اور "ام البراء بنت صفوان"، وغیرہا۔

معاویہ کے تسلط اور مختار مطلق ہونے کے بعد، یہ خواتین مختلف تقریبوں میں ان کے سامنے آئی ہیں۔ اور جب معاویہ نے وہ زمانہ یاد دلایا ہے تو بے باکانہ اور حق گویانہ، اس وقت بھی حضرت علیؑ کے فضائل بیان کئے ہیں اور تمام اہل دربار

کو اپنی عظمت حق گوئی سے متحیر و متعجب کر دیا ہے۔ از انجملہ "بکارۃ الہلالیہ" کے وفد کا واقعہ نہایت موثر ہے۔

"صاحب بلاغت النساء" نے لکھا ہے کہ "بکارۃ الہلالیہ" بالکل بڑھاپے اور ضعف و ناتوانی کے عالم میں دربار معاویہ میں گئیں۔ اس قدر ضعیف تھیں کہ دو عورتیں دو طرف سے تھام کر انھیں لائی تھیں۔ وہاں "مروان بن حکم" اور "سعید بن عاص" بھی موجود تھے۔ انھوں نے معاویہ سے کہا۔ آپ نے اسے پہچانا؟ یہ وہی عورت ہے، جس نے جنگِ صفین میں ہم لوگوں سے مقابلہ کیا تھا، اور اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتی تھی۔ سعید نے کہا اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ اشعار بھی اسی کے ہیں۔

"میری آرزو تھی کہ مجھے موت آجائے، مگر اس وقت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں، جبکہ بنی اُمیہ کا کوئی شخص منبر پر خطیب نظر آئے۔ مگر افسوس! یہ آرزو پوری نہ ہوئی، اور اللہ نے میری موت کے وقت کو بڑھا دیا، یہاں تک کہ آج زمانے کے انقلابات کے عجیب عجیب رنگ دیکھ رہی ہوں مسجدوں کے منبروں پر بنی امیہ کے خطیب، آلِ محمدؐ پر علانیہ لعن وطعن کرتے ہیں"۔

یہ سنکر "بکارۃ الہلالیہ" نے معاویہ سے کہا۔ "تیرے یہ کتے مجھ پر حملہ کر رہے ہیں۔ میرا ڈنڈا کمزور ہے، جس سے ان کو دھتکار نہیں سکتی۔ بیشک یہ اشعار میرے ہیں۔ میں اس سے انکار پسند نہیں کرتی۔ اب جاتی ہوں۔ سچ ہے کہ حضرت علیؑ کے بعد زندگی کا مزہ نہیں ہے"

اسی طرح "سودہ بنت عمارہ" کا واقعہ بھی، حق گوئی اور سچائی کا اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ جب معاویہ کی تخت نشینی کے بعد سامنے آئیں تو معاویہ نے پوچھا۔ کیا تو، وہی عورت نہیں ہے جس نے جنگ صفین میں اشعار کہے تھے؟ سودہ نے کہا۔ "ہاں! میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو حق سے پھر جاتے ہیں، اور کذب گوئی کے لئے حیلہ

طرازیاں کرتے ہیں۔ بیشک، میں ہی ہوں، جس نے جنگ صفین میں یہ اشعار کہے تھے؟
معاویہ نے کہا۔ کس نے تجھ کو ایسے اشعار کہنے پر آمادہ کیا؟ سودہ نے بے باکانہ
کہا۔ محبت علیؑ اور اتباع حق نے۔

حضرت علیؑ ۱۹ر رمضان ۴۰ھ کو نماز صبح کے سجدۂ آخر میں تھے کہ سر اقدس
پر ضربت لگی۔ ۲۱ر رمضان کو بعمر ۶۳ سال شہادت پائی۔ آپ نے بڑے صاحبزادے
امام حسنؑ کو اپنا جانشین بنایا۔ کچھ عرصہ بعد امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان چند شرائط
کے ساتھ صلح ہو گئی، جس میں ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ کسی کو اپنا ولیعہد مقرر نہ کریں
(حبیب السیر)

ابھی صلحنامہ کی روشنائی خشک نہ ہوئی تھی کہ سارے وعدے "نقش ونگار
طاق نسیاں" ہو گئے! اور معاویہ نے عہدنامہ کو پاؤں سے روندکر کہا میں اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالا کرتا ہوں۔
اہل عرب وفا ئے عہد میں ممتاز تھے۔ اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی ہے۔
لیکن بانی حکومت اموی نے اپنی سیاسیات میں اس صفت کو بھی نظرانداز کر دیا۔

معاویہ نے ابو ہریرہ، عمرو عاص اور عروہ بن زبیر کو مامور کیا تھا کہ حضرت علیؑ کی
منقصت میں جھوٹی حدیثیں تیار کریں (شرح ابن ابی الحدید معتزلی ج ۴ ص ۹ نصائح
کافیہ ص ۷)

علامہ ابو بکر بن عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ۴۱ھ میں ایک پروانہ جاری
کیا کہ ہم اس شخص سے بری الذمہ ہیں جو علیؑ یا اہلبیت محمدیؐ کی تعریف کرے یعنی
اس شخص کا خون جائز ہو گا (نصائح کافیہ ص ۷)

یہ سلسلہ ۴۱ھ سے ۹۹ھ یعنی ۶۰ سال تک قائم رہا۔ دور بنی امیہ میں
ستر ہزار منبروں پر حضرت علیؑ پر تبرا ہوتا تھا (نصائح کافیہ ص ۵۷)
معاویہ خود لعنت کرتے، اور دوسروں کو لعنت کی ترغیب دیتے (تاریخ خمیس

ج ۲ صـ۳۵۲)

جب معاویہ کسی سے بیعت لیتے تو علیؑ پر تبرا کرنے کی شرط پیش کرتے (عقد الفرید ج ا صـ۱۹)

اس طرح سے انھوں نے لوگوں کے دلوں میں عداوت علیؑ کا تخم بو دیا تھا جو تناور درخت بن گیا، اور خوب زہریلے برگ و بار لایا۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ علیؑ سے دشمنی، اور ان پر تبرا کرنا، ایک مقدس فرض ہے۔ اس میں صرف اپنا مفاد پیش نظر تھا، ورنہ یہ امر دین و عقل دونوں کے خلاف ہے۔

"مسجد کا منبر جس کو رسول اللہ نے ہدایت خلق کے لئے نصب فرمایا تھا، اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جو دنیا چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے تھے، علی الاعلان برا کہا جاتا تھا۔ اور باوجود اسکے کہ اکثر مسلمانوں اور بالخصوص شیعہ علیؑ کی دل آزاری ہوتی تھی، معلوم نہیں، کیا فائدہ سمجھ کر بطور حتمی فرض کے قرار دے رکھا تھا۔

سب سے آخر میں انھوں نے جو کام کیا یعنی یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ اس سے اسلامی جمہوریت کی بنیاد ہی اکھڑ گئی۔" (تاریخ الامت ج ۳ صـ۲۶ مطبع جامعہ ملیہ۔ دہلی)

"ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ "میں نے رسولؐ کو فرماتے سنا ہے۔ جس نے علیؑ کو گالی دی، اُس نے مجھے گالی دی۔" (مشکوٰۃ باب مناقب علیؑ)

صلح حسنؑ میں یہ شرط کہ معاویہ کسی کو اپنا ولیعہد نہ بنائیں، یہ ایسی شرط تھی جس نے معاویہ کی زندگی دشوار کر دی۔ وہ یزید کے سر پہ ولیعہدی کا تاج رکھنا چاہتے تھے، اور یہ کام امام حسنؑ کی حیات میں مشکل تھا، لہذا معصوم کی زندگی ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں "معاویہ نے امام حسنؑ کی بیوی "جعدہ بنت اشعث"

"جعدہ"، خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر کی حقیقی بھانجی تھی۔ وفات رسولؐ پر اپنے قبیلہ کی عورتوں کے بقیہ صـ۳۶

سے ساز بازکی اگر تو کسی تدبیر سے حسنؑ کو زہر دے دے تو ایک لاکھ درہم کے علاوہ یزید کے ساتھ شادی کردوں گا۔ چنانچہ اُس نے آپ کو زہر دیا، جس سے آپؑ کی شہادت ہوئی“

استیعاب ج ۲ ص۱۴۴ طبع حیدرآباد)

”معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا ارادہ کیا۔ لیکن حسنؑ بن علیؑ اور سعد بن ابی وقاص کی موجودگی کھٹکتی تھی۔ ان دونوں کو سازش سے زہر دلادیا، اور دونوں کی موت واقع ہوئی“ (ابن ابی الحدید معتزلی ج ۴ ص۱۷)

۲۸ صفر ۵۰ھ کو آپ کی شہادت ہوئی، اور جنت البقیع (مدینہ) میں دفن ہوئے

”جب معاویہ کو امام حسنؑ کی خبر شہادت معلوم ہوئی تو سجدۂ شکر بجالائے“

(عقد الفرید ج ۲ ص۳۰۳ ابو الفداء ص۱۸۲ طبع مصر)

”معاویہ کو امام حسنؑ کی خبر وفات معلوم ہوئی تو قصر خضراء سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی۔ پھر تمام اہل شام نے تکبیر کہی۔ ”فاختہ بنت قریظہ“ نے پوچھا۔ آپ نے کس خوشی میں تکبیر کہی؟

(ف۲) ساتھ خوشی منائی تھی۔ ماں کا نام ام فروہ“ جو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر کی بہن اور ”ابو قحافہ“ کی بیٹی تھی ”اشعث“، باپ کا نام قیس۔ قبیلہ ”کندہ“ جزیرۃ العرب کا مشہور قبیلہ ہے، یہ اس کا سردار تھا۔ حیات رسولؐ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ اسلام لایا، پھر مرتد ہوگیا۔

”حضرموت“ میں رسول خداؐ کی وفات پر اس کے قبیلہ کی چھ عورتوں نے مارے خوشی کے ہاتھوں میں مہندی لگائی۔ ڈھول اور دف بجایا۔ حضرموت کی دوسری بدکار عورتیں، ہاتھوں میں مہندی رچاکر گاتی بجاتی، ان کے پاس مبارکبادی کے لئے آئیں۔ قبیلہ کندہ کی ۶ عورتیں ملاکر ۲۱ عورتیں تھیں۔

”اشعث بن قیس کندی“ منجملہ مرتدین تھا، سنہ ۱۲ھ میں گرفتار کرکے حضرت ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ انھوں نے اس کی خواہش پر، اپنی بہن ”فروہ بنت ابو قحافہ“ کا عقد اس کے ساتھ کردیا۔ یہ وہاں سے نکل کر بازار پہنچا، اور تلوار سونت کر، اونٹ، گائے، گھوڑا، اور ہر چوپائے کو ذبح کرتا گیا، تاکہ لوگ (بقیہ ص۳۸)

جواب دیا۔ حسنؑ نے دنیا سے رحلت کی۔ اس مومنہ نے کہا سبحان اللہ!! فاطمہ کالال، دنیا سے سفر کرے اور آپ تکبیر کہیں۔ بولے۔ میں نے طعن و تشنیع سے تکبیر نہیں کہی، بلکہ میرے دل کو ایک بڑے خطرے سے اطمینان ہو گیا!! (حیوٰۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص۵۱)

معاویہ نے ابن عباسؓ کو اس حادثہ کی اطلاع دی، اور کچھ طعن و طنز کے الفاظ کہے۔ ابن عباس نے کہا۔ ان کی وفات کے طعنے نہ دو۔ تم بھی کچھ زیادہ دن رہنے والے نہیں ہو (الاخبار الطوال ص۲۲۳)

مخالفوں کو زہر دلا دینا، معاویہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ چنانچہ اس سے قبل "مالک اشتر" کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا تھا۔ آپ کی خبر شہادت سنکر معاویہ

بقیہ ص۳۶ ولیمہ کے طور پر ان کا گوشت کھائیں (مجمع الامثال ج ۲ ص۲۲۴)

عراق فتح ہونے تک مدینہ ہی میں رہا۔ خلیفہ دوم نے ۱۷ھ میں کوفہ آباد کیا تو اپنے قبیلہ کے ساتھ وہاں آباد ہو گیا۔ اس طرح کوفہ میں قبیلہ کندہ کو مرکزیت حاصل ہو گئی۔

"اس نے اپنی ماں کے ساتھ "نکاح مقت" کیا تھا۔ "نکاح مقت" کی تعریف یہ ہے کہ باپ کے مرنے پر، بڑا بیٹا، اپنی سوتیلی ماں پر چادر ڈال دے تو وہ بیٹے کی منکوحہ ہو جاتی ہے، اور بیٹا اس کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے۔" (معالم التنزیل ص۲۱ مطبوعہ بمبئی)

"اشعث" یہی وہ ہے جس نے معاویہ سے سازش کر کے، امیر المومنینؑ کے لشکر میں تفرقہ ڈالا۔ "یہ جناب امیرؑ کے شہید کرنے میں، ابن ملجم کا شریک رہا۔" (شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص۴۳)

"ابن ملجم، قبیلہ کندہ کا تھا۔" (ابن ابی الحدید ج ۲ ص۳ مطبوعہ مصر)

قبیلہ کندہ، فوج یزیدی کے ساتھ، امام حسینؑ سے جنگ کرنے آیا۔ اشعث کا بیٹا "محمد" وہ ہے جس نے پہلے، مسلم بن عقیلؑ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ دوسرا بیٹا "قیس" بھی کربلا میں فوج یزیدی کا سپاہی تھا۔ اس قبیلہ کے مرد اور عورتیں، شہادت امام حسینؑ کی خوشی منانے میں پیش پیش رہیں، اور باب کندہ میں سر مظلوم عرصہ تک لٹکائے رہے (تاریخ الکوفہ ص۱۵۹)

نے کہا، علیؑ کے دو ہاتھ تھے۔ میں نے ایک کو صفین میں کاٹ دیا، وہ عمار یاسر تھے۔ دوسرے کو آج قطع کر دیا جو مالک اشتر تھے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۵)

"مغیرہ ابن شعبہ" کوفہ کے گورنر تھے۔ معاویہ نے کسی بات پر ناراض ہو کر معزول کر دیا، اور لکھا کہ فوراً حاضر دربار ہو۔ مگر مغیرہ نے دیر کی۔ جب دربار میں پہنچے تو معاویہ نے دیر کی وجہ پوچھی۔ کہا۔ میں ایک اہم امر کے لئے جوڑ توڑ کر رہا تھا۔ معاویہ نے پوچھا۔ وہ کیا؟ بولے۔ تمہارے بعد یزید کی بیعت۔ پوچھا۔ کچھ کیا؟ کہا۔ ہاں۔ معاویہ نے بحال کر کے کوفہ روانہ کر دیا۔ جب دربار سے نکلے تو لوگوں نے پوچھا۔ کیا ہوا؟ جواب دیا۔ میں نے معاویہ کا پاؤں ایسی گمراہی کی رکاب میں ڈال دیا ہے کہ قیامت تک اسی میں پھنسا رہے گا (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۳)

۵۶ھ میں شام و عراق کے لوگوں سے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اس مہم سے فراغت کے بعد ۵۶ھ میں ہزار سواروں کے ساتھ حجاز کی راہ لی۔ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب سے پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ معاویہ نے کہا۔ تم کو خوشی اور بہتری نصیب نہ ہو۔ اللہ۔ اس شتر قربانی کا خون گرانے والا ہے جس کا خون جوش مار رہا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں ایسی باتوں کا سزاوار نہیں ہوں۔ معاویہ نے کہا۔ بلکہ اس سے بدتر کلام کے مستحق ہو (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۵)

معاویہ نے خطبہ پڑھا، اور یزید کی صفت و ثنا بیان کر کے کہا۔ یزید سے زیادہ کون مستحق خلافت ہے؟

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں "امیر معاویہؓ نے جب یزید کی نسبت مدینہ

۱؎ عرب میں چار آدمی چالاک و ہوشیار مشہور تھے۔ معاویہ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو عاص اور زیاد ابن ابیہ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

امام شافعی کا قول ہے کہ ان چاروں صحابیوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے (روضۃ المناظر حاشیہ کامل ج ۱۱ ص ۱۳۳)

میں خطبہ پڑھا، اور کہا۔ خلافت کے لئے یزید حسب سنت اسلام خلیفہ ہوتا ہے تو فوراً ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر غالباً یہ کہدیا۔ تم جھوٹے ہو۔ اسلام سے اس استبداد اور وراثت کو کیا تعلق؟ یوں کہو کہ وہ شاہان روم اور فارس کی طرح بادشاہ ہوتا ہے"۔ (نظام حکومت اسلامیہ۔ شمیم بلند پور۔ لاہور)

مولانا معین الدین ندوی لکھتے ہیں "غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روح کا خاتمہ کر دیا"۔ (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۵۷)

معاویہ کی یہ بد اندیشی ایک انقلاب عظیم کا پیش خیمہ تھی جس سے کربلا کا خونی واقعہ پیش آیا، اور اسلامی دنیا میں اضطراب پھیل گیا۔ یہ بیعت خلافت، در اصل بیانہ تھی ایک خونریز جنگ کی جو میدان کربلا میں پیش آئی۔

۵۸ھ میں حضرت عائشہ نے رحلت کی۔ ان کی موت کا واقعہ بہت دردناک اور عبرت انگیز ہے۔

علامہ غیاث الدین ہروی لکھتے ہیں "۵۶ھ میں معاویہ بن ابو سفیان، اپنے ملعون بیٹے کی بیعت کے لئے مدینہ گئے۔ امام حسینؑ، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، اور عبد اللہ بن زبیر کو رنجیدہ کیا۔ عائشہ نے ان کو لعنت ملامت کی۔ معاویہ نے اپنی قیامگاہ میں ایک کنواں کھدا کر اُس کو خس و خاشاک سے چھپا دیا، اور اس پر آبنوسی کرسی رکھدی۔ کرسی پر بیٹھتے ہی وہ کنویں میں جا پڑیں۔ معاویہ نے کنویں کا منہ بند کرا دیا، اور مکہ کو روانہ ہو گئے"۔ (حبیب السیر ج ۱ جز و سوم ص ۵۸)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں "معاویہ پہلا شخص ہے جس نے آنحضرتؐ کے منبر پر یزید کی بیعت لی۔ حضرت عائشہ نے حجرہ سے سر نکال کر کہا۔ چپ رہ۔ چپ رہ۔ ابوبکر اور عمر میں سے کس نے اپنے فرزند کے لئے بیعت لی۔ تو کس کی پیروی کرتا ہے؟

معاویہ شرمندہ ہو کر منبر سے اُتر آئے، اور اپنی قیامگاہ کو چلے گئے۔ پھر حضرت عائشہ کے لئے گڑھا کھدایا، جس میں وہ گر کر مر گئیں ۔" (کتاب الاوائل۔ بیان ولایت معاویہ)

تمام محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی شان میں صرف ایک حدیث ہے "ما اشبع اللہ بطنہ" اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ چنانچہ کھاتے کھاتے تھک جاتے، اور پیٹ نہ بھرتا۔ نوکر سے کہتے۔ دسترخوان اٹھاؤ۔ تھک گیا لیکن پیٹ نہ بھرا۔ دن میں پانچ دفعہ کھاتے۔ آخر مرتبہ سب سے زیادہ کھاتے۔ باورچی ایک بچھڑا بھون کر لایا، ایک تھیلی میدے کی روٹیوں کے ساتھ کھا گئے۔ ساتھ ہی چار موٹے موٹے تگر دے، ایک بھیڑ کا بچہ۔ پھر کھجوروں سے مُنہ میٹھا کیا۔

صاحب نصائح کافیہ لکھتے ہیں "حفاظِ حدیث کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔" (ج ا ص ۱۶۳ ۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۸۵)

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں "حدیثوں کی تدوین بنی اُمیّہ کے زمانہ میں ہوئی، جنھوں نے پورے نوّے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک، مساجد جامع میں آلِ فاطمہؑ کی توہین کی، اور جمعہ کو بر سرِ منبر حضرت علیؑ پر لعن کھلوایا۔ سیکڑوں، ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ کے فضائل میں بنوائیں۔" (سیرۃ النبی ج ا ص ۴۹)

معلوم ہوا جو حدیثیں، کتابوں میں فضائل معاویہ کے متعلق ہیں، سب جعلی، فرضی اور گڑھی ہوئی ہیں۔ ٹکسال میں سکہ ڈھالے جاتے ہیں، اور انھیں سکوں کے بل پر فضائل معاویہ کے حدیثوں کی عمارت کھڑی کی جاتی تھی۔

مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں۔

"امام احمد اور نسائی نے فرمایا ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کئے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ ہدایت۔ مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابو سفیان

سے۔ "حجر بن عدی" کا قتل۔ یزید کے لئے بالجبر اور بہ مکر و فریب بیعت کرانا۔
نقض اس معاہدہ کا جو امام حسنؑ سے کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ" (انوار اللغۃ پ ۲ صفحہ)
درحقیقت معاویہ نے اس حکومت کی تعمیر میں خون ناحق بہت بہایا، اور دوست
داران علیؑ کو بے دریغ تہ تیغ کیا۔ جبر و تشدد کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا۔
معاویہ کا شمار بھی "مولفۃ القلوب" میں ہے۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۸۹)

خلاف شرع معاویہ کی ایجادات

سلطنت معاویہ کا شیوہ، مکر و فریب، چالاکی اور غداری تھا۔ قوت و
طاقت کی بہ نسبت ان کی سیاسیات میں بدعہدی و دھوکہ دہی کا جزو غالب رہا۔
علامہ سیوطی لکھتے ہیں "شعبی کا بیان ہے کہ معاویہ پہلا شخص ہے جس نے
بیٹھ کر خطبہ پڑھا، جب چربی زیادہ ہو گئی، اور توند نکل آئی"۔
"زہری" سے روایت ہے کہ عید کے دن جس نے نماز سے قبل خطبہ پڑھا، وہ
معاویہ ہیں"۔
"سعید بن مسیب" کہتے ہیں۔ جس نے روز عید، اذان کی ایجاد کی، وہ معاویہ ہیں۔
"اوائل عسکری" میں ہے کہ معاویہ ہی نے اپنی خدمت کے لئے خواجہ سراؤں
کو رکھا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۲ سطر ۸ تا ۱۳)
شرعی حیثیت سے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب اور پاخانہ کے لئے
بیٹھنا حرام ہے۔ حضرت "ابوایوب انصاری" شام گئے تو پیشاب اور پاخانہ کے
مکانات قبلہ رو پایا۔ انھوں نے استغفار پڑھ کر منہ پھیر لیا۔ (دراسات اللبیب
ص ۱۳۵ مصنفہ ملا محمد معین مرحوم۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ)
جرجی زیدان لکھتے ہیں "معاویہ نے ریشم کے بیش قیمت اور شاندار لباس پہننے

ہیں رومیوں کی پیروی کی تھی۔" (تمدن اسلام مترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری ص۹۵)

مصر کی ایک جماعت دمشق آئی۔ معاویہ کا رعب اتنا غالب ہوا کہ پہلا شخص دربار میں گیا تو اس نے کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" پھر سب نے یہی کہہ کر سلام کیا، اور معاویہ نے سب کو جواب سلام دیا۔ کسی کو ٹوکا نہیں (طبری ج ۶ ص۱۸۴)

ایک شخص "حضر موت" میں "وابد بن ابد" نامی تھا، جس کی عمر تین سو سال تھی۔ معاویہ نے اس کو طلب کیا۔ اس سے حضرت عبد المطلب اور امیہ کے حالات دریافت کئے۔ پھر پوچھا۔ تم نے محمدؐ کو بھی دیکھا ہے؟ اس نے کہا۔ کون محمدؐ؟ معاویہ نے کہا وہی رسول اللہ۔ اس نے کہا تم نے حقارت سے کیوں نام لیا؟ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کیوں نہیں کہا؟ (اسد الغابہ ج ا ص۱۱۵)

ملا علی متقی لکھتے ہیں "معاویہ نے مدینہ میں عشاء کی نماز جماعت پڑھائی تو بسم اللہ غائب کر گئے" اور بعض تکبیریں بھی اڑا گئے۔ مہاجرین و انصار نے شور مچایا کہ عمداً نماز میں چوری کی یا بھول گئے؟ مگر انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی، اور نہ نماز کا اعادہ کیا (کنز العمال ج ۴ ص۱۰۲)

زہری کا بیان ہے کہ ہم دمشق میں "مالک بن انس" صحابی کے پاس گئے تو ان کو روتا پایا۔ سبب دریافت کیا تو کہا۔ جو باتیں رسول اللہؐ کے زمانے میں پاتے تھے، اب کسی کا پتہ نہیں۔ نماز رہ گئی تھی، لیکن وہ بھی ضایع کر دی گئی (صحیح بخاری ج ا ص۳۹۵)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ معاویہ بیمار ہوئے تو ایک طبیب نے علاج کیا اور وہ اچھے ہو گئے۔ دوبارہ بیمار ہوئے تو ایک نصرانی نے کہا۔ میرے پاس ایسا تعویذ ہے جس کے پہننے سے شفا ہو جاتی ہے۔ معاویہ نے وہ تعویذ گلے میں لٹکا لیا طبیب نے دیکھ کر کہا۔ اب ان کی موت یقینی ہے۔ چنانچہ وہ مر گئے۔ لوگوں نے طبیب سے پوچھا۔ تم نے کیسے

جانا؟ اس نے کہا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ جبتک اُن کے گلے میں صلیب نہ ہو گی، یہ نہ مریں گے۔ جو تعویذ یہ پہنے تھے، اس میں صلیب بنی تھی۔ مجھے ان کی موت کا یقین ہو گیا (محاضرات)

۲۲ رجب ۶۰ھ روز دوشنبہ کو دمشق میں بعمر ۸۰ سال، جان شیریں کو وداع کیا۔ "ضحاک بن قیس فہری"، نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مہر کا نقش تھا "لکل عمل ثواب" ہر کام کا ثواب مقرر ہے۔

مثل مشہور ہے "چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اسلئے حضرت علیؑ کے چند فضائل بیان کرنا مناسب ہے تاکہ موازنہ میں سہولت ہو۔

حدیثوں کی مشہور کتاب "کنز العمال" ہے جس کے مولف، اہلسنت کے عالم جلیل ملا علی متقی ہیں۔ اس کتاب کے ج ۶ سے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں۔ کھلیان سے ایک مٹھی غلہ لے کر اچھائی اور برائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہانڈی کا ایک چاول دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ چاول پک گیا ہے یا نہیں۔

ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ ایسی حدیثیں کسی دوسرے کیلئے ہیں تو وہ سب وضعی اور جعلی ہیں۔ ان کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا "صدیق تین ہیں (۱) حبیب النجار مومن آل یٰسین، جنھوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ کہ گوا پیغمبروں کی اطاعت کرو (۲) مومن فرعون "حزقیل" انھوں نے فرعون کے درباریوں سے کہا تھا کیا تم ایسے شخص (حضرت موسیٰؑ) کو قتل کر دو گے جو کہتا ہے کہ خدا میرا پالنے والا ہے (۳) علیؑ ابن ابیطالب۔ اور علیؑ ان دونوں سے افضل ہیں۔" (ص ۱۵۲)

ایک موقع پر آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کی شان میں فرمایا "علی ہی سب سے

پہلے مجھ پر ایمان لائے۔ بروز قیامت یہی سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے۔ یہ اس امت کے فاروق ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیں گے۔ یہ مومنوں کے سردار ہیں، اور ظالموں کا سردار مال ہوتا ہے۔" (ص ۱۵۶)

جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا "اے علی! قیامت کے دن ہم چار کے سوا کوئی سوار نہ ہوگا۔ میں براق پر سوار ہوں گا، اور میرے بھائی صالح، اس اونٹنی پر سوار ہوں گے جو پئے کی گئی تھی۔ میرے چچا حمزہؑ میری اونٹنی عضباء پر ہوں گے۔ اور تم جنت کے ناقہ پر سوار ہو گے۔ تمہارے ہاتھ میں لواء حمد ہوگا۔ تم کہتے ہو گے۔ لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ۔ لوگ کہیں گے۔ یہ کوئی مقرب فرشتہ ہے یا نبی مرسل، یا حامل عرش؟ عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ جواب دیگا یہ صدیق اکبر علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں۔" (ص ۴۰۲)

مولوی محمد اسلم جیراجپوری فرماتے ہیں "حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفات عالیہ میں نمایاں تر شجاعت ہے۔ بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے، لیکن کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے ان کی بہادری کا اظہار اس وقت ہوا، جب رسولؐ نے ہجرت کے موقع پر ان کو بستر پر سلایا تھا۔ مکان کے باہر، دشمن شمشیر بکف قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے، لیکن بے خوف و خطر سو رہے۔ اس کے بعد غزوہ بدر اور خیبر کے کارناموں نے ان کو بہت مشہور کر دیا۔ بڑے بڑے جنگ آور، ان کے سامنے آتے ہوئے لرزتے تھے۔ لڑائی میں کبھی ان کو پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آ رہی ہے۔"

وہ مومن آل یٰسین، حضرت موسیٰ کے خلیفہ حضرت "یوشع بن نون"، پر ایمان لانے والے، حبیب النجار"۔

عہد رسالت کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک ان کی تلوار میان میں رہی، لیکن جب پھر اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو باہر نکالا تو اس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی۔

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ فطرتی طور پر ان میں ہاشمی فہم وذہانت تھی۔ ہمیشہ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے، اور قرآنی تفقہ سیکھا۔ نیز دربار رسالت کے کاتب خصوصی تھے۔ ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ، ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ خلفاء سابقین، خاصکر حضرت عمرؓ، ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر انھیں کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فصاحت و بلاغت میں بھی وہ بے مثل تھے۔ ان کے خطبات اور مکاتیب کا جو مجموعہ، شریف مرتضیٰ نے "نہج البلاغہ" کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ در اصل وہ "حکیم العرب" اور آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔

ان کے بعض بعض خطبے اور خطوط تو اس قدر لطیف و پرمعنی اور دلنشین و حکمت آموز ہیں کہ انسانی فضل و کمال اور گویائی و دانائی کی آخری حد کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح زہد، ترک دنیا، ایثار و رضا جوئی حق، عبادت و ریاضت، کمال علم و حکمت جس بات پر ہم نظر ڈالتے ہیں، وہ صحابہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔" تاریخ الامت حصہ دوم صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۲)

یزید بن معاویہ

مفصل حالات کتاب "سید الشہداء امام حسینؓ اور یزید" میں ملاحظہ ہو

ڈاکٹر وحید مرزا "ٹریجڈی آف کربلا" میں لکھتے ہیں

"یزید کی ماں "میسون" ایک صحرائی عورت، جو شہری زندگی سے نفرت کرتی تھی، اور اپنی آزادی اور خانہ بدوشی والے گھر کی سادگی کی مشتاق تھی، فطری طور پر اس نے اپنے لڑکے کو کمسنی ہی میں اپنی قوم کے پاس بھیج دیا کہ بدو عربوں کے درمیان، کھلے ہوئے علاقہ میں اسکی تربیت کی جائے۔ یزید بڑھا خانہ بدوشی کے تمام علامات رکھتا ہوا، ایک نمونہ ہو گیا کافر عربی حکومت کا۔ اسکے اوصاف یہ تھے کہ وہ خوشدل اور ہشاش بشاش رہتا تھا، اور شکار کی تفریحوں اور جام شراب کا دلدادہ، متکبر اور بدمغ تھا۔ وہ برائے نام مسلمان تھا، اور ان ضروری اوصاف سے خالی تھا جن کے موجود ہونے کی اسلامی حکومت کے دنیوی اور روحانی سردار میں امید کی جا سکتی ہے۔" (منقول)

"سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ نے وفات پائی، اور یزید خلیفہ ہوا۔ اس نے "عقبہ بن نافع" کو افریقہ کا امیر حرب مقرر کیا۔ اور "مسلمہ" کو بدستور مصر کا والی رہنے دیا۔ انھوں نے اہل مصر سے یزید کی خلافت کی بیعت لی۔ "عبداللہ بن عمرو بن عاص" نے انکار کیا۔ مسلمہ نے کہا کہ اگر جماعت کا ساتھ چھوڑو گے تو گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اس لئے راضی ہو گئے۔" (تاریخ الامت ج ۶ صفحہ ۶۷-۶۸)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کس قہر و جبر اور دھمکی سے یزید کی بیعت لی گئی۔ کیا بیعت لینے کا یہی طریقہ ہے؟ بیعت تو دل کا سودا ہے سختی اور تشدد تو نمرودی اور فرعونی طریقہ تھا۔ یزید پیرو تھا نمرود اور فرعون کا۔ اسلئے اس نے وہی کیا جو اس کو موزوں تھا۔

تاریخ کا خونیں باب

انصاف پسند دنیا کے لئے تاریخ کا یہ المیہ انتہائی دردناک ہے کہ ایک

مظلوم اور حق کے طالب انسان کو، محض اس لئے جلادِ حق ہونا پڑا کہ وہ ایک منکر وحی و نبوت کی بیعت نہیں کرتا۔ میکدۂ فسق و فجور کے رند خرابات اور لادینی کے پروردہ اوباش نوجوان کی شخصی جاگیرداری، تسلیم نہیں کرتا۔ نیز نشۂ اقتدار کے بدمست کو موقع نہیں دیتا کہ اس کی لامذہبیت کے آتش فشاں زہریلے مادوں سے اسلامی دنیا کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔

اس المیہ کے عبرت انگیزی نیز درد و کرب کی فراوانی اور بڑھ جاتی ہے جب مظلوم اور معصوم انسان، اپنے ساتھیوں اور عزیزوں سمیت، اسلام کی حفاظت کے لئے، راہ خدا میں زندگی قربان کر دیتا ہے۔ ظالم فاتح، لاشوں کو پامال سم اسپ اور سروں کو نیزوں پر بلند کرتا، خیموں میں آگ لگاتا، بچوں اور عورتوں کو اسیر اور ایک بیمار کو طوق و زنجیر پہنا کر شہر بہ شہر تشہیر کرتا ہے۔ دربار میں اقتدار کی گرم بازاری کے لئے، خدا کا باغی، شیطان کا دوست، دندان مبارک کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی کرتا ہے۔ دربار پر سناٹا چھا جاتا ہے۔ جراءت کا میدان سنسان، اور سارا دربار "منقار زیر پر" کسی میں دم مارنے کی ہمت نہیں۔ ایک صحابی رسولؐ کے صبر کا پیالہ چھلک جاتا ہے، اور ضبط کا یارا نہیں رہتا۔ ڈانٹ کر کہتا ہے۔ اٹھا لے چھڑی لب و دندان سے۔ میں نے رسول اللہؐ کو اس مقام کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔

یزید نے امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ یعنی ہم خود مختار اور سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ اسلام پر ہمارا قبضہ ہے جو چاہیں کریں۔ امامؑ نے اس کے ناجائز مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ وہ جانتے تھے کہ یزید، قصر اسلامی میں چوری سے داخل ہو کر اسلام کی تصویر میں کفر و بے دینی کا رنگ و روغن بھر دے گا۔ اسلام کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر وہ زہر پھیلائے گا جو اس کے پیشرو نہ کر سکے۔

کتنا عبرتناک ہے یہ منظر کہ حسینؑ، جنھوں نے اسلام کے ننھے سے پودے کو پر بہار اور بارگ وبار بنایا، ان سے وہ شخص بیعت طلب کرے، جس کا دل ہر گناہ کے لئے اس طرح کھل گیا تھا، جیسے وہ کوئی کار ثواب انجام دے رہا ہے۔ وہ تہذیب وتمدن کا ایسا نقشہ تیار کر رہا تھا جس کے ہر نشان سے عیاشی اور صنفی خواہش نمایاں تھی، تاکہ وہ دیکھے تو مناظر عیش دیکھے۔ اس کے کان آشنا ہوں تو نغمات کیف وطرب سے۔ فکر و دماغ کی قوتیں صرف ہوں تو تکمیل خواہشات کی راہ میں۔ وہ خاص منصوبے کے ساتھ ذہنوں میں دہریت والحاد کی کاشت کر رہا تھا۔ اسی لئے امام حسینؑ نے للکار کر کہدیا۔ ہم جان دے سکتے ہیں۔ لیکن فاسق وفاجر کی بیعت نہیں کر سکتے۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کہیں بہتر ہے۔

کیوں نہ ہو۔ حسینؑ اس باپ کے بیٹے تھے جس کا قول تھا۔ مجھے موت اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا بچہ آغوش مادر سے مانوس ہوتا ہے۔ صفین میں حضرت علیؑ صرف کرتہ پہنے جنگ کر رہے تھے۔ امام حسنؑ نے عرض کی۔ بابا! یہ طرز عمل جنگ کے خلاف ہے۔ آپنے فرمایا۔ مجھے پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر گر رہی ہے یا میں موت پر گر رہا ہوں۔ اصحاب سے فرمایا کرتے۔ موت ضروری ہے۔ میدان جنگ میں قتل ہو یا فرش خواب پر مرو۔ لیکن قسم بخدا! فرش خواب پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے ہزار زخم تلواروں کے آسان ہیں۔

امام حسینؑ صلح پسند تھے۔ ان کا اصول تھا ”جیو اور جینے دو“ مگر موت سے ڈرتے نہ تھے۔ یاد کیجئے، وہ وقت جب امامؑ منزل ”ذوحسم“ سے روانہ ہوئے تو حرؑ نے نشیب وفراز سمجھاتے ہوئے کہا۔ خدارا! اپنی زندگی پر رحم کیجئے۔ اس میں تو آپ کی موت یقینی ہے۔ آپنے فرمایا۔ کیا مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ قتل سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہو؟۔

خاندان رسالت کا بچہ بچہ، موت سے ہم آغوشی کو کھیل اور حق کی راہ میں جان دینا قابل فخر کارنامہ جانتا تھا۔ جب حسینی قافلہ "قصر بنی مقاتل" سے آگے بڑھا تو امام حسینؑ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ خواب دیکھا کہ ایک سوار کہہ رہا ہے "یہ لوگ آگے بڑھ رہے ہیں، اور موت ان کا پیچھا کر رہی ہے"۔ آپ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ حضرت علی اکبرؑ گھوڑا بڑھا کر آئے اور یہ کلمہ جاری کرنے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے خواب بیان فرمایا، اور کہا۔ ہم کو موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبرؑ نے عرض کی۔ بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا۔ یقیناً ہم حق پر ہیں۔ شاہزادہ نے کہا۔ پھر ہم کو موت کی پرواہ نہیں۔

روز عاشور حضرت قاسمؑ، جہاد کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ امامؑ فرماتے ہیں بیٹا! موت کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کی۔ شہد سے زیادہ شیریں۔ جب بچوں کی بہادری کا یہ عالم، تو حسینی شجاعت کے نقطۂ عروج کا کیا کہنا۔ وہ موت سے ہراساں ہو کر یزید پلید کی بیعت کر سکتے تھے؟ لاحول ولا قوۃ۔

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا مقابلہ فرد واحد یا شخصی مقابلہ نہ تھا، بلکہ کلدانی تہذیب کی عمارت مسمار کر کے تعلیم ربانی کی درس گاہ قائم کرنا مقصود تھا۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ نے صرف فرعون و مصر پر فتح نہیں پائی، بلکہ اپنی تبلیغ سے دوسرے ملکوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پیش نظر، ابوجہل اور ابوسفیان کو شکست دینا نہ تھا۔ وہ شرک کے خلاف، خالص توحید کی اشاعت چاہتے تھے۔ اسی طرح کربلا کے ریگ زار میں حسینؑ اور یزید کی نبرد آزمائی نہ تھی، بلکہ یزید نے اسلام کے خلاف جو تہذیب نو کی بنیاد ڈالی تھی، حسینؑ اسکو ڈھا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ جان دے کر حیات جاوداں پائی۔ گھر بار لٹا کر دلوں پر فتح حاصل کر لی۔ دلوں پر فتح پانے والا ہی فاتح زمانہ کہلاتا ہے۔ پھر یزید کی بیعت کا کیا سوال؟

کون یزید؟ وہی یزید جس کا دادا ابو سفیان، اسلامی ترقی کی راہ میں سنگ گراں تھا۔ اسی دادا کا پوتا یزید، جو اسلام کی اشاعت میں روڑے اٹکانا، عین مقصد حیات جانتا تھا۔

وہی یزید جس کی دادی ہندہ نے جنگ احد میں لشکر اسلام کے مقابل ہیروئن کا پارٹ ادا کیا، اور مکہ کی عورتوں کو بھی چڑھا لائی، جس سے سارا میدان شعلۂ دامن اور جوالا مکھی بن گیا۔

اسی دادی کا پوتا یزید، جس نے رسول خدا کے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کرکے انتقام کی پیاس بجھائی۔

ہاں ہاں،! کفر و معصیت کے معدن کا گوہر شب چراغ، اور ضلالت و گمراہی کے صدف کا در یکتا یزید، جس کے قصر حیات میں کبھی روحانیت کی شمع روشن نہ ہوئی، اور جس کا کور باطن، اسلام کی روشنی سے محروم رہا۔

کون یزید؟ وہی یزید، جس نے ایوان تہذیب کے وہ نقش و نگار چھوڑے، اور تمدن کو ایسا تماشا بنایا، جسے دیکھ کر انسانیت پانی پانی ہو جائے۔

وہی یزید، جس کے نزدیک، نماز، روزہ اور ذکر خدا، کھوٹے سکے اور ٹکسال باہر چیزیں تھیں۔

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اسی یزید کے حکم سے امام حسینؑ شہید ہوئے۔ بقول مولوی نذیر احمد مرحوم "ایسی نالائق حرکت یزید سے سرزد ہوئی کہ سچ پوچھو تو دنیا میں منہ نہ کھانے کے قابل نہیں رہا"

مولوی وحید الزماں مرحوم فرماتے ہیں "مگر معاویہ کا باپ تو آنحضرتؐ سے عمر بھر لڑتا رہا۔ پھر بذات خود، حضرت علیؑ سے لڑتا رہا۔ اور خلیفہ برحق سے باغی بن بیٹھا۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون کر دیا۔ پھر اس کے بیٹے نے تو معاذ اللہ، تمام خاندان رسالت کو تباہ

تاراج کر دیا۔ ایسے لوگوں کی حمایت، درحقیقت اللہ اور رسولؐ سے دشمنی کرنا ہے۔"
(انوار اللغتہ پ ۱۳ صـ ۱)

رسالۂ موی کے فاضل مدیر تحریر فرماتے ہیں "یہ حادثہ فاجعہ تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ رسولؐ پاک کی وفات کے نصف صدی بعد ہی، آپ ہی کے نام لیوا، آپ کے اہلبیتؑ کو انتہائی شقاوت کے ساتھ ذبح کر دیں۔ حقیقی فیصلہ تو وہ حاکم مطلق ہی کرے گا جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ اور ہر ڈھکے چھپے سے واقف ہے۔

سیدنا حسینؑ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ عالم اسلام میں یزید کی اس حرکت پر نفرت کا اظہار کیا گیا، اور حجاز میں مدینہ سے مکہ تک مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ عبداللہ بن زبیر نے مکہ معظمہ میں اس حادثہ کی خبر سن کر مجمع عام میں پرجوش تقریر کی۔

"واللہ! دشمنوں نے اس شخص کو قتل کیا جو دن کو روزہ رکھتا، اور رات کو عبادت کرتا تھا۔ بزرگی اور دین میں ان سے کہیں بڑھ کر تھا، اور خلافت کا ان سے کہیں زیادہ حقدار تھا۔ وہ قرآن کی ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو، خدا کے خوف سے رونے کے مقابلہ میں شکاری کتوں کے ذکر کو پسند نہ کرتا تھا۔" (مولوی جون ۱۹۶۱ء صـ ۲۲)

معاویہ کے لگائے ہوئے درخت کا پہلا ثمر یہ تھا، کیونکہ وہ خلافت اسلامیہ ایسے کے ہاتھوں میں دے گئے جس میں دین تھا نہ تقویٰ۔ جو لہو ولعب کا عادی اور شرائع دین کا مذاق اڑانے میں ماہر تھا۔

بعد شہادت امام حسینؑ کے جسم اطہر سے کپڑے اتارے گئے۔ ابن سعد کے حکم سے دس سواروں نے گھوڑوں سے لاش مطہر کو پامال کر دیا۔ آپ کے اعضاء بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ان دس سواروں میں سے ایک "اسحٰق بن حویۃ الحضرمی" تھا۔
(طبری فارسی ج ۴ صـ ۲۲۲)

بعد ازاں خیموں میں آگ لگا دی گئی، اور سب سامان لوٹ لیا گیا۔ شاہزادیوں کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔ عمر بن سعد نے امام حسینؑ کا سر "خولی بن یزید اصبحی" کے ذریعہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا۔ جب خولی، قصر ابن زیاد کے پاس پہنچا تو رات زیادہ ہونے کی وجہ سے دروازہ بند ہو گیا تھا۔ یہ اپنے گھر آیا، اور سر کو لگن کے نیچے ڈھانک دیا۔ اس کی بیوی "نوار" نے پوچھا۔ کیا لایا ہے؟ اس نے کہا۔ تمام دنیا کی دولت، تیرے لئے لایا ہوں، یعنی حسینؑ کا سر۔ "نوارا" نے کہا۔ واللہ۔ اب میں تیرے ساتھ نہ رہوں گی۔ یہ کہہ کر اٹھی۔ اور سیدھی وہاں گئی، جہاں سر رکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ قسم بخدا! ایک نور آسمان سے لگن تک تھا، اور سفید پرندے اس کے گرد اگرد اڑ رہے تھے (طبری مترجم ج ۲ حصہ اول ص ۲۸۶)

"انس بن مالک"، صحابی سے روایت ہے کہ دربار ابن زیاد میں امام حسینؑ کا سر، طشت میں رکھ کر لایا گیا۔ وہ ملعون، دانتوں اور ہونٹوں کو بید سے کھٹکھٹانے لگا۔ اور آپ کے حُسن کے بارے میں کچھ کہا۔ انس کا بیان ہے کہ امام حسینؑ بہت زیادہ مشابہ تھے رسولؐ سے، اور آپ وسمہ کا خضاب لگائے تھے (بخاری ج ا ص ۴۵۷)

"براز" نے انسؓ کی زبانی یہ بھی بیان کیا کہ انس نے کہا۔ جہاں تو چھڑی مار رہا ہے اس مقام کو رسولؐ بوسہ دیتے تھے (عینی شرح بخاری ج ۷، ص ۶۵۷)

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ کیا رسول اللہؐ کا اتنا حق بھی نہ تھا کہ انسؓ، اس فعل پر ابن زیاد کو ملامت کرتے۔ (عینی ج ۷، ص ۶۵۷)

"طبرانی" نے "زید بن ارقمؓ" سے روایت کی کہ ابن زیاد نے حسینؑ کی آنکھ اور ناک میں چھڑی مارنی شروع کی۔ انھوں نے کہا۔ ہٹالے چھڑی کو۔ میں نے اسی جگہ، رسول اللہؐ کو منہ رکھتے دیکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۵)

پھر زید بن ارقمؓ رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا۔ خدا تیری آنکھوں کو رُلائے۔ اگر تو

سیٹھیا نہ گیا ہوتا، اور تیری عقل زائل نہ ہوگئی ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ آپؓ یہ سُن کر دربار سے چلے گئے، اور کہتے گئے۔ اے گروہ عرب! آج سے تم غلام ہو گئے۔ تم نے فاطمہؑ کے لال کو شہید کیا، اور ابن زیاد کو اپنا حاکم بنا لیا جو نیکوں کو قتل کرتا اور بروں کو نجات دیتا ہے۔ (عینی ج، ص۶۷۵)

ابن زیاد نے واقعات کی اطلاع یزید کو دی تو اس نے پروانہ بھیجا کہ سروں اور قیدیوں کو دمشق بھیج دو۔ پروانہ کیا تھا، پاپ اور گناہ کا سمندر تھا جس میں یزید غوطہ لگا رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حسینی اقدام نے زاویۂ فکر و عقل اور سوچنے کا طرز بدل دیا تھا۔ یزید اپنی فتح سے خوش تھا، مگر تقدیر اس پر ماتم کر رہی تھی کیونکہ ابھی نام نہاد یزیدی فتح کے قہقہہ کی آواز، فضا میں گونج رہی تھی کہ ملک کے افق پر انقلاب کے بادل منڈلانے لگے، جس سے اس کی نیند حرام ہوگئی۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں سود و زیاں، اور کامیابی و ناکامیابی معلوم کرنے کا پیمانہ ہی سب سے الگ ہے۔ حسینؑ گھر بار لٹا کر کامیاب، اور یزید فتح پا کر بھی ناکامیاب رہتا ہے۔

ابن زیاد نے سرہائے شہداء "زحر بن قیس" کے سپرد کئے۔ "ابو بردہ بن عوف ازدی" "طارق بن ابی ظبیان"، اور اہل کوفہ کی ایک جماعت ساتھ کر کے دمشق کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ حرم بے کجاوہ اونٹوں پر تھے، اور سید سجادؑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق خاردار۔

اس کے بعد "محضر بن ثعلبہ عائذی" اور "شمر ذی الجوشن" کو روانہ کیا۔ یہ بھی تیزی کے

"زید بن ارقم" جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول خداؐ کے ساتھ ۱۷ جہاد کئے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ جناب امیرؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ ۶۶ھ بروایتے ۶۸ھ میں بمقام کوفہ انتقال کیا۔ (عینی ج، ص۶۷۵)

ساتھ قطع مسافت کرکے قافلہ سے ملحق ہوگئے۔ (ارشاد ص۲۵۶ الاخبار الطوال ص۲۵۷)

فتح کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا گیا تھا، جہاں کثرت سے بستیاں پڑتی تھیں، تاکہ اہل حرمؑ کی ذلت میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ ان آبادیوں میں شہرت دی جاتی تھی کہ (نعوذ باللہ) ایک خارجی نے خلیفۂ اسلام پر خروج کیا تھا، یہ اس کے خاندان والے ہیں جو کفار ترک و دیلم کی طرح قید کئے گئے ہیں۔

جب یہ قافلہ "موصل" پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے یزیدی لعین فوج کو گذرنے سے روک دیا۔ اور لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ "تکریت" میں شہرت دی گئی تھی کہ ایک خارجی نے حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ یہ اس کے اور ساتھیوں کے سر ہیں، جن کی تشہیر ہو رہی ہے۔ بازار سجائے گئے۔ لوگ خوشیاں منا رہے تھے کہ ایک عیسائی نے خبر دی۔ میں کوفہ میں تھا۔ مجھے علم ہے کہ تمہارے نبیؐ کے نواسے حسینؑ، ان کے عزیزوں اور مددگاروں کے سر ہیں۔ تکریت کے مسلمانوں اور عیسائیوں نے متحد ہو کر محاذ جنگ قائم کیا۔ اور یزیدیوں کو راستہ بدلنا پڑا۔ آخر مجبور ہو کر "معرۃ النعمان" کی طرف چلے گئے۔ "شیزر" میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ لوگوں نے یزیدیوں کو بستی میں داخل نہ ہونے دیا۔ راستہ میں قلعہ "کفر طاب" پڑتا تھا۔ وہاں ٹھہرنا چاہا۔ لیکن اہل قلعہ نے اجازت نہ دی، اور برسر پیکار ہوئے۔ وہاں سے بھی کوچ کرنا پڑا۔ "سیبور" کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا۔ "حماۃ" والے مزاحم ہوئے اور شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ "حمص" والوں نے باقاعدہ جنگ کی اور ۲۶ یزیدیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ "عمران" میں ایک راہب سد راہ ہوا۔ جنگ ہوئی، آخر کار وہ راہب شہید ہوا۔ ان حالات نے یزید کا خواب و خور حرام کر دیا تھا۔ رات کو چونک پڑتا تھا کہ میں کیا کر بیٹھا، اور کہتا۔

چوں کنم خود کردہ ام خود کردہ را تدبیر چیست

اور تشفی خاطر کے لئے ابن زیاد کا نام لیتا تھا کہ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ یہ تھا حسینؑ کے

خون ناحق کا اثر کہ آگے آگے قافلہ چل رہا تھا، اور پیچھے بغاوت برپا تھی۔

جب یہ قافلہ دمشق پہونچا تو بازار خوب سجائے گئے۔ سارے شہر میں آئینہ بندی کی گئی۔ لوگ عید مل رہے تھے۔ اجنبی سمجھتا تھا کہ شامیوں کی کوئی عید ہے۔ ایک پردیسی بوڑھا، شام میں تھا۔ یہ منظر دیکھ کر اس کو سخت تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی کون سی عید ہے جو مجھے نہیں معلوم۔ اس نے ایک شامی سے دریافت کیا تو اس نے کہا۔ ہماری کوئی عید نہیں ہے۔ بلکہ قتل حسینؑ پر خوشی منائی جا رہی ہے۔ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ سر ہی سر نظر آتے تھے۔ تھالی پھینکو تو سر ہی پر رہ جائے۔ اہل بیت طلوع کے وقت دمشق میں داخل ہوئے۔ لیکن ہجوم کی وجہ سے زوال کے وقت دربار میں پہونچے تھے۔

خصوصیت سے دربار سجایا گیا تھا۔ سات سو کرسیاں تھیں جن پر رؤسائے شام اور دیگر ممالک کے سفیر بیٹھے تھے۔ "دینوری" کا بیان ہے کہ یزیدؔ، ندیموں کے ساتھ شراب پی رہا تھا، اور شطرنج کی چالیں چلی جا رہی تھیں۔ اسی اثنا میں سر امامؑ یزیدؔ کے سامنے پھینک دیا گیا۔

(الاخبار الطوال ص۲۵۷)

جب امام حسینؑ کا سر دربار یزیدؔ میں لایا گیا تو وہ سر کو چھڑی سے کھٹکھٹانے لگا۔ "ابو برزہ اسلمی" نے کہا۔ یزید! اٹھا لے چھڑی کو۔ میں نے رسولؐ اللہ کو اسی مقام کے بوسہ لیتے دیکھا ہے۔

(الفخری ص۱۰۵ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۱۹۲)

یزیدؔ نے عرصہ تک اہل بیت کو قید رکھا۔ امام حسینؑ کا سر، مسجد دمشق کے دروازہ پر نصب رہا۔ جب تباہی اہل بیتؑ کی خبر مدینہ پہونچی تو کہرام برپا ہو گیا۔ عورات بنی ہاشم کے بین سے زمین و آسمان ہل گئے۔ "ام لقمان" بنت عقیل بن ابی طالبؑ، خاندان کی عورتوں کو لے کر نکل پڑیں ان کا سر کھلا تھا۔ چادر سنبھالتی اور کہتی جاتی تھیں۔

"لوگو! پیغمبرؐ کو کیا جواب دو گے؟ جب تم سے پوچھیں گے کہ میری امت ہو کر، میری عترتؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ میری عترتؑ سے کچھ تو اسیر ہیں، اور کچھ آلودۂ خاک و خون۔

مولوی وحید الزماں لکھتے ہیں" افسوس کہ معاویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا۔ اور امام حسنؑ کی جان لینے کے درپے ہو گئے۔ اپنے بیٹے یزید پلید سے بیعت کرنے کے لئے سب کو مجبور کیا، حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کرے گا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسینؑ کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہ رکھتا تھا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک   کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کرلی۔ اور اس پر بھی اکتفا نہ کی۔ امام صاحب کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم و شقاوت سے آپؑ کو، بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کر دیا۔

اگر اسلام ہمیں است کہ اینہا دارند   وائے گر درپس امروز بود فردائے

پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چانٹوں سے جہاں پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہونچا دیتا ہے۔ کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ کوئی امامؑ صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اگر یزید، امامؑ صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا، تب بھی ہیں اس پر لعنت نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولی الامر ہیں سے تھا۔ کوئی کہتا ہے۔ امام حسینؑ اسی تلوار سے مارے گئے جو ان کے نانا کی تھی۔ اللہ ان لوگوں سے سمجھے۔ معلوم نہیں، قیامت کے دن آنحضرتؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے دکھائیں گے؟ ہم تو یزید کو مع اس کے معاونین جیسے شمر لعین، ابن زیاد، عمر بن سعد، خولی اور سنان وغیرہم کو ملعون، مطرود اور اشقی الخلق جانتے ہیں۔ یزیدؔ سے بیعت تو کجا اگر ہم اس کو پا لیں تو اس کے گوشت کے ٹکڑے کر کے جیل کووں کو کھلائیں، اس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہو گی، اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہو گا۔ ہزار بار لعنت یزید پلید پر، اور ہزارہ ہزار یزید کے طرفداروں پر اور تعریف کرنے

والوں پر، جو اس کو خلیفہ یا اولی الامر سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنا دقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا۔ اسی نے دبا لیا۔ اور خلیفہ بن بیٹھا۔ (انوار اللغۃ پ ۱۲ صفحہ ۱۵۴)

۳۔ معاویہ بن یزید

دوستدار اہلبیت تھے۔ یزید کے بعد ربیع الاول ۶۴ھ میں سربر آرائے سلطنت ہوئے۔ حالات کے لئے کتاب "سید الشہداء امام حسین اور یزید"، ملاحظہ ہو۔

تاریخ کامل میں ہے، صرف تین مہینہ حکومت کی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے، چالیس دن حکومت کی اور مرگئے (ج ۴ صفحہ ۵۱۶)

۲۱ سال ۶ ماہ کی عمر میں بمقام دمشق ۶۴ھ میں انتقال کیا۔ ولید بن عقبہ نے نماز پڑھائی۔ مہر "بااللہ" کندہ تھا۔

یہیں سے بنی امیہ کی سفیانی شاخ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور مروانیہ حکومت شروع ہوئی۔

ان کے استاد "عمر مقصوص" محب اہلبیت تھے۔ بنی امیہ نے ان سے کہا کہ ان کے دلوں میں محبت علی راسخ کرنے کے ذمہ دار تم ہو۔ انھوں نے انکار کیا۔ اور کہا بچپن ہی سے ان کو علی اور اولاد علی سے محبت تھی۔ اس سے مجھے سروکار نہیں۔ مگر بنی امیہ نے ان کو زندہ دفن کردیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ تحریر الشہادتین صفحہ ۱۰۳ تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۲)

۴۔ مروان بن حکم

اس کارگاہ سود و زیاں اور مادی دنیا کی بساط پر ہمیشہ سیاسی شطرنج کی چال

چلی گئی۔ اکثر ایسا ہوا کہ پیدل نے شاہ کو مات دے دی۔ ایک شخص پر فریب ہتھکنڈوں سے تخت شاہی پر براجمان ہوا تو دوسرے نے اس کے خون سے ہولی کھیل کر حکومت پر قبضہ جمالیا۔ آج کوئی خاک نشین ہے تو کل تخت نشین۔ پھر کچھ دن نہ گذرے کہ اسی تاج و تخت کو غلاموں اور چرواہوں کی ٹھوکروں نے پامال کر دیا۔ اور سر پر غرور، فٹ بال کی طرح لڑھکتا نظر آیا۔ جن ہفت اقلیم بادشاہوں کے اقبال کی قسم کھائی جاتی تھی، اور بڑے بڑے سردار سلامی دیتے تھے، انھیں کو قید و زنجیر میں ایڑیاں رگڑ کے مرتے دیکھا گیا ہے۔ ایک کی نوبت بجتی ہوتی تو دوسرے کا جنازہ نکلتا ہوتا۔ ایک فرش پر، دوسرا عرش پر۔ غرضکہ شطرنج کی بازی کی طرح، حکومتوں کے نقشے بدلتے ہی رہتے ہیں۔ اسی کا نام ہے "انقلاب" معاویہ کی نسل کو بھی انقلاب سے دوچار ہونا ہی پڑا۔

امیر معاویہ نے حق تلفی اور جبر و تشدد کے سہارے جس حکومت کی عمارت، سادات و مومنین کے خون کے گارے سے تیار کی تھی، اور یزید کے زمانے میں جو اموی مسند خون اہلبیتؑ سے داغ دار ہو چکی تھی، اس پر مروان، اس طرح قابض ہوا کہ آخری دور تک اس کی اولاد، حکومت کے ٹمٹماتے چراغ سے روشنی حاصل کرتی رہی۔ اور پھر کبھی معاویہ کی نسل کو بادشاہت کا خواب دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

ذاتِ معبود جاودانی ہے ۔۔۔ باقی جو کچھ ہے وہ فانی ہے
ہمسر اس کا نہیں ندیم نہیں ۔۔۔ سب ہیں حادث کوئی قدیم نہیں

رسول خداؐ نے مروان اور اس کے باپ حکم بن عاص کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ اور نواحی مدینہ میں داخلہ ممنوع قرار دیا تھا۔ اس لئے اس کو "طرید رسولؐ" کہا جاتا تھا۔ یعنی رسولؐ کا نکالا اور خارج البلد کیا ہوا۔

حکم بن عاص اور اس کی اولاد کے لئے بہت سی احادیث مروی ہیں کہ ان پر رسولؐ نے لعنت کی ہے۔

جب لوگ مروان کو ذلیل کرنا چاہتے تو "ابن زرقا" کہتے۔ "زرقا" دادی تھی مروان کی۔ اس کے گھر میں جھنڈا تھا۔ یہ رنڈیوں کے گھر کا نشان تھا۔ جاہلیت میں اس جھنڈے سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ چکلہ اور حرام کاری کا اڈہ ہے۔ (الفخری ص۸۵)

رسول خداؐ مروان کو ملعون ابن ملعون فرمایا کرتے تھے۔ اس کی دادی "عاص" کے نکاح میں آنے سے پہلے نامی کسبیوں میں سے تھی۔ جو "صاحب الرایات" "جھنڈے والیاں" کہلاتی تھیں۔

مروان صاف گو تھا، ہرچند دل کے خباثت سے مجبور تھا۔ حضرت علیؑ پہ حضرت عثمان کے قتل کا بہتان باندھا گیا تو اس نے بالاعلان کہا۔ عثمان کی حمایت سب سے زیادہ علیؑ نے کی۔ لوگوں نے کہا۔ پھر منبر پہ گالیاں کیوں دیتے ہو؟ جواب دیا۔ بغیر اس کے ہمارا اقتدار نہیں رہ سکتا (صواعق محرقہ ص۳۳)

۱۰/ جمادی الثانی ۳۶ھ کو جنگ جمل ہوئی۔ طلحہ اور مروان، دونوں ایک فریق میں تھے۔ لیکن مروان کے دل میں ان کی طرف سے خار تھا۔ اس نے راستہ سے کانٹا ہٹانا چاہا۔ غلام کو سامنے کھڑا کیا۔ اور آڑ لے کر تیر سر کیا۔ طلحہ کے پیر اور گھوڑے کے پیٹ میں تیر پیوست ہو گیا۔ گھوڑا بھڑکا، اور میدان میں دوڑنے لگا۔ یہ زمین پہ گھسٹتے جاتے تھے۔ آخر جان آفریں کو جان سونپ دی۔ (ابوالفدا ص۲۰۴)

امام حسنؑ کے جنازہ پہ اسی مروان نے تیروں کی بارش کی تھی۔ یہ وہی مروان ہے، جس نے ولید بن عتبہ سے کہا تھا۔ اگر حسینؑ اس وقت چلے گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ امام حسینؑ نے ڈانٹ کر فرمایا تھا۔ تیری اور ولید کی کیا مجال!

حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ جب مروان حاکم مدینہ تھا تو میں اس کے ساتھ عید یا بقر عید کی نماز پڑھنے گیا۔ مروان نے نماز سے قبل منبر پہ جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے دامن جھٹک دیا، اور منبر پہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنے

لگا۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم! تو نے شریعت کو بدل ڈالا۔ اس نے کہا سعید! تمہارا علم جاتا رہا۔ لوگ نماز کے بعد، خطبہ سننے کو نہیں ٹھہرتے، لہذا نماز سے قبل خطبہ پڑھ لیتا ہوں۔ (تجرید بخاری حصہ اول ص ۱۷۹)

واقعہ حرہ میں اہل مدینہ نے بنی امیہ کا محاصرہ کر لیا تو مروان بہت گھبرایا۔ امام زین العابدینؑ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال کے حفاظت کی درخواست کی۔ ہر چند یہ اہلبیتؑ کا جانی دشمن تھا، اور ان کو اذیت پہنچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اس خلق مجسم نے ترس کھا کر اس کے اہل و عیال کو پناہ دی، اور اپنی زمینداری "ینبوع" میں چلے گئے۔ (کامل ج ۴ ص ۴۵)

ذیقعدہ ۶۴ھ میں لوگوں نے عبید اللہ بن زیاد کے مشورہ سے اس کی بیعت کر لی۔ اس نے تخت پہ قدم رکھتے ہی "ام خالد" بیوہ یزید سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ میرے بعد بادشاہت، خالد کو ملے گی۔ لیکن مطلب نکل جانے کے بعد آنکھیں پھیریں اور سر دربار خالد کی تذلیل کرنے لگا۔ ایک دن خالد آیا تو مروان نے اس کو "ابن الرطبہ" کہہ کر خطاب کیا۔ یعنی اس کی ماں کی ...... کی برائی کی۔ خالد کو بہت ندامت ہوئی، اور اپنی ماں سے شکایت کی۔ یہ سنتے ہی اس کی نگاہ میں زمین و آسمان گھومنے لگے اس نے منع کیا کہ کسی اور سے نہ کہنا۔ میں علاج کر دوں گی۔ جب مروان رات کو سونے گیا تو خالد کی ماں نے اس کا منہ تکیہ سے دبا دیا جس سے وہ مر گیا (الفخری ص ۸۵)

بڈھا مروان اس کی راہ زندگی میں کانٹا تھا جسے اس نے نکال پھینکا۔ یہ واقعہ ۳/ رمضان ۶۵ھ کا ہے۔ ۶۳ سال کی عمر تھی۔ عبد الملک بن مروان نے نماز پڑھائی۔ قبر کا نشان تھا، والعزۃ للہ عزوجل، خدائے بزرگ و برتر ہی کے لئے عزت ہے۔

یہ انقلاب ہی تو ہے کہ رات کو وہ با اقتدار ہستی جو خطۂ ارض کے بہت بڑے حصہ کی مالک تھی، پورے غرور کے ساتھ فرش خواب پہ سوئی اور صبح کو لاش، سامان عبرت تھی

سوتے وقت سان گمان بھی نہ تھا کہ ریشم و دیبا میں لپٹا ہوا یہ جسم، بے روح نظر آئے گا۔

کم کن ز کبر و ناز کہ دیدست روزگار　　چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہ کے

سوادِ اعظم، مروان کو خلیفہ نہیں مانتا، بلکہ "عبداللہ ابن زبیر" کا باغی خیال کرتا ہے۔ ابن زبیر کے قتل ہونے کے وقت سے "عبدالملک بن مروان" کی حکومت کو برحق سمجھتا ہے۔

۵۔ عبدالملک بن مروان

پیدائش ۲۶ھ بمقام مدینہ۔ رنگ گورا۔ سینہ چوڑا۔ قد درمیانی جسم دبلا، پتلا۔ خلافت سے قبل، مدینہ کے زبردست فقیہ تھے۔ ہمیشہ قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے۔ اس لئے "حمامۃ المسجد"، مسجد کی فاختہ لقب تھا۔ خلافت کی خوشخبری دی گئی تو قرآن پڑھ رہے تھے۔ اس کو بند کر کے کہا۔ یہ خلافت میرے اور تیرے درمیان جدائی کا باعث ہے (الفخری ص۸۷)

ازیں نوید مبارک کہ ناگہاں آمد　　بشارتے بدل و فرزدہ بجاں آمد

تاراجی مدینہ کے ذمہ دار یہ بھی ہیں۔ انھیں کی بتائی ہوئی تدبیر تیر بہدف ہوئی، اور مدینہ تباہ و برباد ہوا۔

مدیر مولوی لکھتے ہیں "مسلم بن عقبہ" نے عبدالملک بن مروان کو بلایا۔ عبدالملک نے تمام حالات بتا کر کہا۔ یہاں سے چل کر مقام "ذی نخلہ" میں قیام کر کے وہاں کے چھوارے کھاؤ۔ دوسرے دن صبح، مدینہ کو بائیں جانب چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ مشرق کی جانب سے مدینہ میں داخل ہو۔ اس طرح سورج کی تکلیف تم کو نہ پہنچے گی۔ اور جب سورج کی کرنیں، تمہاری خودوں، زرہوں، تلواروں اور نیزوں پر پڑیں گی تو تمہارے دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ مسلم نے عبدالملک کی رائے کو پسند کیا، اور

حرہ کی طرف سے مدینہ کو گھیر لیا۔ یہ افسوسناک واقعہ، یزید کی پیشانی پر دوسرا سیاہ داغ ہے جو ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا" (مولوی جون ۱۹۶۱ء صہ ۲۵)

ابن طقطقی لکھتے ہیں "عجیب تر امر یہ ہے کہ جب یزید نے تباہی مدینہ کے لئے فوج بھیجی تو عبدالملک کو سخت ناگوار ہوا، اور کہا۔ کاش! آسمان پھٹ پڑتا اور زمین دھنس جاتی۔ لیکن جب بادشاہ ہوئے تو کعبہ کی بے حرمتی اور تاراجی کے لئے "حجاج ثقفی" کو بھیجا"

(الفخری صہ ۱۱)

"عراق پر قابض ہونے کے بعد، عبدالملک نے "حجاج بن یوسف ثقفی" کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے حجاز روانہ کیا۔ حجاج جمادی الاول ۷۳ھ میں طائف میں آکر خیمہ زن ہوا، اور تھوڑی تھوڑی فوج، میدان عرفات میں بھیجتا رہا۔ فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہوئی تو عبدالملک کو خط لکھ کر حرم میں داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا، اور کوہ ابو قبیس پر منجنیق نصب کر کے خانۂ کعبہ پر سنگباری شروع کر دی جس سے خانۂ کعبہ کو سخت نقصان پہنچا" (مولوی جون ۱۹۶۱ء صہ ۳۱)

بعض تاریخوں میں ہے کہ صحن کعبہ، پتھروں سے بھر گیا، اور سارا فرش خون سے رنگین ہو گیا جو بعد میں دھویا گیا۔

حجاج کی چیرہ دستیوں اور مظالم سے عالم اسلامی پر بلائے عام نازل ہو گئی۔ محرمات شرعیہ ضائع ہو گئیں۔ ۶۵ھ میں اہل شام کو حج کرنے سے منع کر دیا۔ لوگوں کی تسلی کے لئے بیت المقدس میں "قبۃ الصخرہ" تعمیر کر دیا کہ یہاں حج کر لیا کرو۔ لوگ عرفہ کے روز یہاں ارکان حج بجا لانے کے لئے جایا کرتے تھے۔ یہ لوگوں کو قبر رسولؐ کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ کر کہتا تھا کہ یہ لوگ لکڑیاں اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں۔ (کامل مبرد)

یہ ہیں کلمہ گو اور مسلمان، جنھوں نے مدینہ اور کعبہ کی ایسی بے غرتی کی۔ مزے کی بات ہے کہ ایسے لوگوں کو "حضرت"، "رحمۃ اللہ علیہ" اور رضی اللہ عنہ" جیسے بڑے القاب سے نو

جاتا ہے۔ کیا کوئی سچا مسلمان ایسی جرأت کر سکتا ہے؟

ایک روز عبدالملک نے "سعید بن مسیب" سے کہا۔ سعید! نیک کام کرتا ہوں تو خوشی نہیں ہوتی۔ برا کام کرتا ہوں تو افسوس نہیں ہوتا۔ سعید نے کہا۔ تمہارا دل بالکل مرگیا ہے (الفخری ص۱۱۱)۔

"ام الدرداء" نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ تم عبادت کے بعد شراب پیا کرتے ہو۔ بولے قسم بخدا! میں خون بھی پینے لگا ہوں (تاریخ الخلفاء ص۱۵۰)

دوستداران اہلبیتؑ کے ساتھ نہایت ظلم اور سخت گیری سے پیش آتا۔ ان سے قید خانے بھر دئے۔ کھالیں کھنچوائیں۔ کربلا کا راستہ بند کر دیا کہ کوئی زیارت کو نہ جاسکے۔ حضرت علیؑ پر تبرا کہلواتا تھا۔

مسلمانوں میں عبدالملک پہلا بادشاہ ہے جس نے بادشاہ کے سامنے کلام کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ امر بالمعروف کرنے سے منع کیا اور کہا کہ جو شخص خدا کا خوف دلائے گا، اس کا سر قلم کرادوں گا۔

اسلام میں سب سے پہلے اسی نے سر پر تاج رکھا۔ اس کا تاج ایک لاکھ دینار میں تیار ہوا تھا یہ پہلا بادشاہ ہے جس کے سر پر مسلح سپاہی تلواریں لئے کھڑے رہتے تھے۔

۱ار شوال ۸۶ھ مطابق ۹ار اکتوبر ۷۰۵ء روز پنجشنبہ بعمر ۶۳ سال دمشق میں وفات پائی۔ مہر کا نقش تھا "ذاھب للموت فھو آتٍ" موت کے لئے تیار رہ۔ وہ آنے والی ہے۔

عبدالملک کے مرنے سے اہلبیتؑ اور ان کے دوستوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور جان میں جان آئی۔

دمے حیات پس از مردن چناں دشمن | گماں برم کہ ز صد سالہ زندگانی بہ
بہ مرگ خصم شماتت نمی کنم لیکن | دمے فراق ز دشمن ز ہر چہ خوانی بہ

۶- ولید بن عبد الملک

ولادت ۵۰ھ - کنیت ابو العباس - لمبا قد - خوبصورت - گندمی رنگ
چہرہ پر چیچک کے نشان - علم و فضل سے بے بہرہ اور پڑھنے لکھنے میں بہت ناقص
تھا - نہایت ظالم اور عیاش تھا - " سعید بن جبیر " محب اہلبیتؑ تھے ، اس جرم
میں ان کو اصفہان سے طلب کر کے شہید کیا - جسم کو سولی دلوائی ، اور پھر کھال
اتروالی - عیش پرستی کا یہ عالم کہ کوئی محفل ایسی نہ تھی جہاں عورت ، شاہد پرستی
اور شراب و کباب کا ذکر نہ ہو -

سنہ ۹۱ھ میں حج سے فراغت پا کر مدینہ آیا - منبر رسول پر خطبہ پڑھ رہا تھا کہ
اسی اثناء میں اس کی نظر امام حسنؑ کے صاحبزادے حسنؑ مثنیٰ " پر پڑی جو جناب سیدہ

---

* تاریخ میں ایک ولید اور ہے ، جو تھا سیف اللہ خالد کا باپ - قرآن نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے -
" ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذالک زنیم " ۶۴
بقیہ صفحہ ۶۳ اور تم ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا ، ذلیل اوقات ، عیب جو ، اعلیٰ درجہ کا چغل
خور ، مال کا بہت بخیل ، حد سے بڑھنے والا ، گنہگار ، تند مزاج اور اس کے علاوہ بدذات (حرامزادہ)
بھی ہے (پ ۲۹ - س - ن - رکوع ۲)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے پوچھا ، کہ محمدؐ نے میرے دس وصف
بیان کئے ہیں - میں ۹ سے واقف ہوں - دسواں وصف ہے " ولد الزنا " ، تو میں ولد الزنا کیسے ہوا ؟
سچ سچ بتا ورنہ مار ڈالوں گا -

اس نے کہا - بیٹا ! تیرا باپ نامرد تھا - تیرا اصلی باپ ایک چرواہا ہے - (تفسیر مدارک - سورہ ن)
تفسیر کشاف میں ہے - ولید کی چال چلن کا قریش میں کوئی نہ تھا - اس کے باپ مغیرہ
نے ۱۸ سال بعد دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے -

کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں رنڈی تھی ، اور باپ کا پتہ نہیں -

تفسیر زاہدی میں ہے کہ ولید غلام زادہ تھا -

کے گھر میں تھے۔ ولید نے عمر بن عبد العزیز کو حکم دیا کہ ان کو گھر سے نکال دو۔ نکلیں تو ان پر مکان گرا دو۔ ان حضرات نے نکلنے سے انکار کیا تو سارا سامان باہر پھینک دیا گیا۔ آخر آپ نے مع مخدرات عصمت کے دوسری جگہ پناہ لی۔ (جذب القلوب ص ۱۳۵ وفاء الوفاج ا ص ۳۶۳)

ولید ہی نے امام زین العابدینؑ کو زہر دلوایا جس سے حضرتؑ نے ۲۵ محرم ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء کو مدینہ میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (صواعق محرقہ ص ۱۲) ۱۰ سال حکومت کر کے ۱۱ جمادی الاول ۹۶ھ میں بعمر ۴۵ یا ۴۶ سال ولید نے انتقال کیا۔ سلیمان نے اس کی نماز پڑھائی۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے۔ مہر کا نقش تھا "یا ولید انک میت"۔ ولید! تجھ کو مرنا ہے۔

۷۔ سلیمان بن عبد الملک

پیدائش ۶۰ھ۔ بھاری چہرہ۔ ابرو ملے ہوئے۔ خوبصورت۔ لمبا قد۔ سانولا رنگ ولید کا سوتیلا بھائی تھا۔ آج بھی اس کے ایجاد کردہ کھانے موجود ہیں۔ اس کے زمانے میں لوگوں کا وقت، کھانے ہی کے تذکرہ میں گزرتا تھا۔ آپس میں ملتے تو یہی گفتگو کرتے کہ آج یہ کھانا پکایا، اور اتنا کھایا۔ حلوہ مزے دے گیا۔ کیوں نہ ہو۔ رعایا اپنے بادشاہ کے پیرو ہوتی ہے۔ جو چیز بادشاہ کو پسند ہوتی ہے، وہی رعایا بھی پسند کرتی ہے۔

کھانے کا اس قدر حریص تھا کہ باورچی گرم کھانا لاتا تو ٹھنڈا ہونے کا انتظار نہ کرتا، بلکہ آستین سے پکڑ کے کھانا شروع کر دیتا۔

"اصمعی" کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے دربار میں پیٹوؤں کا ذکر نکلا۔ کہا گیا کہ سلیمان بن عبد الملک بڑا پیٹو تھا۔ اور اتنا بے صبرا کہ آستینوں سے پکڑ کے کھاتا تھا۔ سلیمان کے کپڑے نکالے گئے تو آستینوں میں چکنائی پائی گئی (الفخری ص ۱۱۵)

ایک مرتبہ ستر انار، چھ مرغیاں، ڈھائی پاؤ کشمش اور چند بکری کے بچے کھا گیا۔
ایک دفعہ بکری کے بیس بچے، اور ۴۰ روٹیاں کھا گیا۔ رات کو بہت سا کھانا سرہانے
رکھا رہتا۔ جب آنکھ کھلتی، کھا لیتا۔ شراب بہت پیتا تھا۔ اسی نے ہیجڑہ بنانے کی رسم
ایجاد کی۔

ایک مرتبہ مدینہ گیا۔ باورچی کو بکرا پکانے کا حکم دیا۔ باورچی نے تیس بکروں کا گردہ
پکایا۔ وہ روٹی میں گھی مل کر سب کھا گیا۔ یہ ناشتہ تھا۔ جب کھانا آیا تو خوب پیٹ
بھر کر کھایا۔ اس کے بعد ایک ٹوکرا تازہ انجیر کا لایا گیا، اور انڈے۔ سب کھا گیا۔ درد اٹھا
اور مر گیا۔

منبر پر حضرت علیؑ پر تبرا کہلاتا تھا۔ اہلبیتؑ کا اس قدر دشمن تھا کہ سارے
قلمرو میں فرمان جاری کر دیا کہ اولاد علیؑ میں سے کسی کو عہدہ اور منصب نہ دیا جائے۔

ایک روایت یہ ہے کہ بروز جمعہ ۲۰ صفر ۹۹ھ میں بمقام "دابق" رحلت کی۔ ۴۵
برس کی عمر تھی۔ عمر بن عبدالعزیز کو حکومت کی وصیت کی، چنانچہ سب نے بیعت کی۔
عمر بن عبدالعزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مہر پر تحریر تھا، "او من باللہ مخلصاً" خلوص
کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہوں۔

۸۔ عمر بن عبدالعزیز

پیدائش ۶۱ھ یا ۶۳ھ خوبرو۔ دبلے۔ پتلے۔ پیشانی پر زخم کا نشان تھا۔ بچپن
میں گھوڑے نے لات ماردی تھی۔ لقب "محمد الصادق"، عبدالملک بن مروان کے
بھتیجے اور مروان کے پوتے تھے۔ ۲۰ صفر ۹۹ھ کو حکومت ملی۔ حکومت کو ناپسند
کرتے تھے۔ حکومت کی خبر دی گئی تو ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم۔ لیکن ان کی نہ چل سکی، اور بادل ناخواستہ گلے لگانا ہی پڑی۔ انھوں نے

بنی امیہ کے جبر و استبداد کے خلاف، عدل و انصاف اور رعایا پروری کا ریکارڈ قائم کیا۔
ان کے باپ "عبدالعزیز بن مروان" خطبہ پڑھتے۔ حضرت علیؓ کا ذکر آتا تو زبان لڑکھڑانے
لگتی۔ اپنے باپ سے وجہ پوچھی۔ جواب دیا۔ بیٹا! علیؓ کے جو فضائل میں جانتا ہوں، اگر اور
لوگ بھی جان لیں تو ہم سے کٹ کر ان کی اولاد سے جا ملیں (الفخری ص۱۱۵)

یہ دور، شرفِ انسانیت کی نشوو نما کی ارتقاء کا گہوارہ اور مسلمانوں کی اصلاح
و فلاح کا مرکز تھا۔ ان کے دربار میں نہ کبھی جام و مینا چھلکے اور نہ کبھی مغنیہ اور رقاصہ کی
پازیب کی جھنکار اور نغموں کا زیر و بم سنا گیا۔ ان کا دربار ان خرافات سے پاک تھا۔ انہوں نے
اپنے سے پہلے فرمانرواؤں کی برائیوں اور زیادتیوں کا جائزہ لے کر ایک ایک برائی کو مٹایا
اور ان کی فروگزاشت کی تلافی کرنے کے لئے ایمانی جرأت سے کام لیا۔

چناں کرد بنیاد انصاف محکم — کہ گو گرد را پاسباں گشت آتش

سنہ ۴۱ھ یعنی معاویہ کے زمانہ سے ستر ہزار منبروں پر، حضرت علیؓ پر تبرا کہا جاتا تھا۔ آپ نے
تخت پر قدم رکھتے ہی اس رسم بد کو بند کر دیا۔ اور تبرا کی بجائے اس آیت کی تلاوت کا حکم
دیا۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر
والبغی یعظکم لعلکم تذکرون "

بالتحقیق اللہ عدل و احسان اور ذوی القربیٰ کو ان کے حقوق دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے
حیائی، اور بدی و بغاوت سے منع کرتا ہے۔ تم کو نصیحت کرتا ہے، تاکہ نصیحت حاصل کرو۔ پ
۱۴ اس النحل۔ رکوع ۱۲)

تبرا بند کرنے کا یہ واقعہ ہے کہ ان کے اشارہ اور فہمائش سے ایک یہودی طبیب نے سر دربار
ان کی بیٹی کی خواستگاری کی آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مسلمان کی لڑکی، غیر مسلم کو نہیں دی
جا سکتی۔ یہودی نے کہا۔ تمہارے نبیؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کی شادی علیؑ سے کیوں کی؟ جواب
دیا کہ علیؑ مسلمان تھے! اس نے کہا۔ پھر ان کو منبروں پر برا کیوں کہا جاتا ہے؟ عمر بن عبد العزیز

نے درباریوں سے جواب مانگا۔ لیکن زبانوں پر مہر سکوت تھی۔ گویا سروں پر طائر بیٹھے تھے۔
پھر سارے ملک میں فرمان بھیجکر یہ رسم بند کر دی۔

مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں "سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم و محبت اور
صلح و اخوت ہی کی تخم ریزی کے لئے بنی تھی۔ سب و شتم اور لعن و تبرے کا تخم، بنی امیہ نے
بویا، اور مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و طاعت الہٰی اور ذکر و اشغال حق
کے لئے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ و منکرہ سیاسیہ سے اہلبیتؑ نبوت اور حضرت
امیرؑ پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی، اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو داخل
کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے۔ پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی
زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیت
کبریٰ و ہتک شریعت الہٰیہ کے خلاف، لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

لیکن تاریخ اسلام، حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انھوں نے
تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا۔ اور مساجد اسلام کو ان کی چھنی
ہوئی عزت و حرمت واپس دلا دی۔ چنانچہ لعن و تبرے کی جگہ، خطبہ ثانیہ میں "ان اللہ یامر
بالعدل" الخ داخل کر دیا۔ یہ آیۂ کریمہ آجتک خطبہ جمعہ کا جزو آخری ہے! در ہر ہفتہ سیأت
بنی امیہ و حسنات عمر بن عبد العزیز پر گواہی دیتی ہے" (الہلال ج ۲ شمارہ ۲۱-۲۸ مئی ۱۹۱۳ء)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ عمر بن عبد العزیز بنی امیہ میں ایسا تھا جیسے فرعون کے خاندان
میں ایک مومن تھا۔

انھوں نے باغ فدک واپس کر کے امام محمد باقرؑ کو متولی مقرر کیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ
خلافت، اہلبیتؑ کے سپرد کر دیں، کیونکہ یہ اُن کا حق تھا۔ لیکن حالات نے اجازت نہ دی
بنی اُمیہ نے جو جائدادیں بہ جبر قبضہ میں کر لی تھیں۔ سب واپس کر دیں (عقد الفرید ج ۲ ص ۲۴۵)
مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ زمین پر بیٹھ کر مقدمات فیصل کرتے، دربار میں بھی

ایسے ہی رہتے۔ "یزید بن عبد الملک" نے ان کے خادم سے ساز باز کر کے زہر دلا دیا، جس سے ۲۵ رمضان المبارک ۱۰۱ھ میں بمقام "دیر سمعان" انتقال کیا (عقد الفرید ج ۲ ص ۲۴۷)

تین بیوائیں اور گیارہ بیٹے چھوڑے۔ ۶ بیٹے بیویوں اور ۵ بیٹے کنیزوں سے تھے۔ انکی ملکیت ۲۱ دینار تھے جو کفن کے بعد ورثا میں تقسیم ہوئے۔ مہر کا نقش تھا "عمر یومن باللہ" عمر کا ایمان اللہ پر ہے۔

۹ - یزید بن عبد الملک

یزید بن معاویہ کا نواسہ تھا۔ لمبا قد۔ گداز جسم، گول چہرہ۔ ۱۰۱ھ میں تخت پر بیٹھا۔ بڑا خونی، ظالم اور عیش پرست تھا۔ بنی امیہ کے چالیس بوڑھوں نے گواہی دی تھی کہ روز قیامت، خلفاء سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، جو چاہیں کریں۔ دنیا اور دنیا کی سرمستیاں انھیں کے لئے ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱)

اس نے اپنے دور حکومت میں، خاندان رسالت سے باغ فدک واپس لے لیا۔ سلاطین بنو امیہ اس پر قابض رہے۔ یہانتک کہ بنو عباس کا زمانہ آگیا (معجم البلدان ج ۶ ص ۳۴۳)

ایک کنیز "سلامۃ النفس" سے آنکھ لڑائی۔ محبت کے پینگ زیادہ بڑھے تو سلطنت کا کاروبار اس کے سپرد کر دیا۔ جب اس سے طبیعت بھر گئی تو دوسری کنیز "حبابہ" کو دل دے بیٹھا۔ "اردن" میں انگوروں کا ایک باغ تھا، دونوں وہاں گئے۔ چہل سوجھی تو انگوروں کے دانے "حبابہ" کی طرف پھینکنے لگا، اور حبابہ ان دانوں کو منہ میں لیتی۔ پھینکتی تو یزید منہ میں لیتا۔ آخر رنگ میں بھنگ ہوگیا۔ حبابہ کے منہ میں ایک دانہ ایسا پھنسا کہ سانس بند ہوگیا اور فوراً مر گئی۔ یزید پر عشق کا بھوت ایسا سوار تھا کہ

تین دن تک لاش دفن نہ ہونے دی۔ اسی لاش سے زنا کرتا رہا (حیوٰۃ الحیوان ج ا
ایک مرتبہ شام گیا۔ رات بھر شراب پی، اور کنیز کے پاس سویا۔ صبح کو نشہ اور نجاست
کی حالت میں نماز پڑھا دی۔

اس کی حرکتوں سے لوگوں کے دلوں میں آرزو پیدا ہو گئی کہ خاندان رسالت
کو، اس کے حقوق واپس دلا دئے جائیں، اور ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا دیا جائے مگر
حضرات اولیاء اللہ، دنیا سے کنارہ کش تھے۔ اس طرف رخ نہ کیا۔ بنی عباس کو موقع
مل گیا، اور رسول اللہ کے چچا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے مدعی خلافت ہو گئے۔ اور
داعی، سوداگروں کے بھیس میں خراسان روانہ کئے۔

خوارج نے یزید کو بمقام "عقر بابل" ماہ شعبان ۱۰۲ھ میں بعمر ۳۲ سال قتل
کر دیا۔ چار برس اور ایک دن حکومت کی۔ مہر پر تحریر تھا "فی الحساب"۔

ہشام بن عبد الملک

پیدائش ۷۲ھ۔ رنگ گورا۔ خوبصورت۔ بھینگا۔ سیاہ خضاب لگاتا تھا۔
۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ نہایت تند مزاج، ظالم اور سخت دل تھا۔ مال جمع کرنے
کا انتہائی حریص، اور بڑے درجے کا کنجوس تھا۔ مصاحبوں کے ساتھ باغ میں گیا۔
لوگوں نے پھل توڑ کر کھائے، اور دعا دی کہ خدا برکت دے۔ کہنے لگا۔ برکت کیا ہوگی
خاک، جبکہ تم سب کھائے جا رہے ہو۔ مالی کو حکم دیا کہ ان پیڑوں کو کاٹ کر زیتون کے
درخت لگا دو، تاکہ کوئی کھا نہ سکے۔

امام ابوحنیفہ کا مسئلہ ہے کہ کوئی شخص چوپایہ یا میت سے جماع کرے، اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا
اور نہ غسل واجب ہوتا ہے (فتاوائے قاضی خان ج اکتاب الصوم ص۱۰۵) یزید کا انزال نہ ہوا ہوگا
جب روزہ اور غسل میں رخصت ہے تو عذاب کیسا۔

شاہزادگی کے زمانے میں حج کو گیا یعنی ۹۱ھ میں۔ بھیڑ اتنی تھی کہ حجر اسود تک نہ پہنچ سکا۔ کرسی پر الگ جا بیٹھا۔ اتنے میں امام زین العابدینؑ تشریف لائے۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، اور چلے گئے۔ ہشام کے قریب ایک شامی کھڑا تھا۔ سخت متعجب ہوا۔ ہشام سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ جسے دیکھ کر مجمع ہٹ گیا۔ وہ باوجودیکہ حضرتؑ سے واقف تھا۔ لیکن حسد سے کہا۔ میں نہیں جانتا۔ فرزدق شاعر اہلبیتؑ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ آگے بڑھے، اور برجستہ طولانی قصیدہ پڑھا جس کا مطلع۔

وہ ہیں جن کے نشان قدم کو مکہ جانتا ہے   خانۂ کعبہ اور حل و حرم جانتے ہیں۔

ہشام سخت نادم ہوا، اور فرزدق کو چھ ماہ قید رکھا۔

اس نے ابراہیم بن ولید سے امام محمد باقرؑ کو زہر دلا دیا۔ جس سے ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء کو بعمر ۵ سال آپؑ کی شہادت ہوئی، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔
(صواعق محرقہ ص۱۲۰ نور الابصار ص۱۴۴)

۱۲۰ھ میں امام زین العابدینؑ کے صاحبزادے حضرت "زید" سے جنگ چھڑی۔ امام زادہ کے سر میں تیر لگا، اور شہید ہو گئے۔ ان کے بیٹے نے پانی میں لاش دفن کر دی، تاکہ لاش کی بے حرمتی نہ کی جا سکے۔ لاش چھپانے میں حضرت زید کا غلام بھی تھا۔ اس نے راز فاش کر دیا۔

یوسف نے قبر سے نکلوا کر ان کے جسم کو سولی پر چڑھا دیا، اور سر کاٹ کے ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دمشق کے دروازہ پر لٹکا دیا (تاریخ الامت ج۲ ص۱۱۳)

زید کی مناسبت سے ان کے پیرووں کو "زیدیہ" یا "زیدیان" کہتے ہیں۔ ان کی نسل سادات زیدی کہی جاتی ہے۔

اس کے عہد میں "خالد بن عبداللہ قسری" ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک عراق کا وائسرائے رہا۔ یہ شخص، ہشام کو رسول اللہؐ سے افضل بتاتا تھا۔ دلیل یہ دیتا تھا

کہ پیغمبرؐ سے اللہ کا خلیفہ، افضل ہوتا ہے۔ ہشام خلیفہ ہے اللہ کا۔ اور رسولؐ اللہ پیغمبر ہیں خدا کے۔ لہٰذا ہشام افضل ہے رسول سے (کامل ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۱۳)

۲ ربیع الثانی ۱۲۵ھ بروز چہار شنبہ بہ مقام "رصافہ" انتقال کیا۔ ۵۳ برس کی عمر پائی۔ مسلمہ بن ہشام نے نماز پڑھائی۔ مہر کا نقش تھا "حکم الحکیم"۔

مولوی محمد اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں "داؤد بن علی نے جو سفاح کا چچا تھا، مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنی اُمیہ تھے، ان سب کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بھائی سلیمان بن علی نے بصرہ میں یہی کیا۔ جن کو قتل کرتا تھا، ان کے پاؤں پکڑوا کر کھنچوا کر راستہ پر ڈال دیتا تھا۔

عبداللہ بن علی (عباسی) نے شام میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک بنی امیہ کو مار ڈالا۔ بجز شیر خوار بچوں یا اُن لوگوں کے جو روپوش ہو کر بھاگ نکلے تھے۔ کوئی اس کے ہاتھ سے نہ بچ سکا۔ یہاں تک کہ اس نے جوش انتقام میں خلفاء بنی اُمیہ، امیر معاویہ، یزید، اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں، اور ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو نکال کر پھنکوا دیا۔ ہشام بن عبدالملک کی نعش صحیح و سالم نکلی تھی صرف ناک گل گئی تھی، اس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا۔ پھر آگ میں جلایا اور راکھ ہوا میں اڑا دی۔

(تاریخ الامت ج ۴ صفحہ ۲۰۵)

مثل مشہور ہے "جیسے کو تیسا" معاویہ نے شہداء احد کی قبریں کھدوا کر لاشیں نکلوائی تھیں۔ بنی عباس نے بھی اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ الفخری میں ہے کہ معاویہ کی قبر کھودی گئی تو صرف ایک تاگا مثل غبار کے نکلا۔ یزید کی قبر کھودی تو ریزہ ریزہ مثل خاکستر پایا صفحہ ۱۰۶ (طبع انوار المطابع لکھنؤ)

بعض تاریخوں میں ہے کہ معاویہ کی قبر سے لکڑی کے جلے ہوئے ریزے اور ٹکڑے نکلے۔ عبدالملک بن مروان کی قبر سے کھوپڑی نکلی۔ دیگر قبروں سے مختلف اعضا برآمد ہوئے

ایک دن "عبداللہ بن علی" عباسی "نہر ابی فطرس" کے کنارے ۸۰۔۹۰ امویوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ ایک شاعر نے ۸ شعروں کا قصیدہ پڑھا، جس کے مطلع کا مطلب تھا "بنی عباس کی بدولت دین کی بنیاد مضبوط ہو گئی۔"

اس قصیدہ میں بنو امیہ کی مذمت تھی، اور بنو عباس کے پہلے بادشاہ "سفاح" کے بھائی ابراہیم کی قید و موت کا تذکرہ پر اثر طریقہ سے مذکور تھا۔ عبداللہ نے سب کے قتل کا حکم دیدیا۔ ان میں سے کچھ لوگ فوراً مر گئے۔ اور باقی زخمی ہو کر تڑپنے لگے۔ عبداللہ نے لاشوں اور زخمیوں کے اوپر دستر خوان بچھوایا۔ یہ دوستوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور زخمی دستر خوان کے نیچے کراہ رہے تھے، یہانتک کہ سب مر گئے۔ ابھی کھا ہی رہے تھے کہ بنی اُمیہ کے ایک بزرگ کو لایا گیا۔ عبداللہ نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اس نے پیٹ چاک کر دیا، اور پیٹ میں ہاتھ ڈال کر انتڑیاں نکال کر باہر پھینک دیں۔ وہ کھڑے کھڑے مر گیا۔ اس طرح عباسیوں نے بنی امیہ کا صفایا کر دیا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

بنو امیہ کا ایک شخص "عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام" اسپین چلا گیا، اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ وہاں سے عیسائیوں نے اُن کو نکالا تو "مراکش" اور "الجیریا" وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ وہاں ان کی سلطنت ہے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں ہیں، جن میں یزید کی نسل بھی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم عراق کی عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "اب آپ گنبدوں اور میناروں کی ایک موثر سرزمین کی طرف بڑھ رہے ہیں، جس کی یاد اور تذکرہ کی تقدیس کو زمانے کے صدہا تغیرات و حوادث بھی نقصان نہ پہنچا سکے، اور جو سرزمین عراق کا سب سے زیادہ پر اثر اور تاریخی حصہ ہے۔ یہ کربلا کی سرزمین عبرت و بصیرت ہے، اور روضہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا درخشاں گنبد اور اُس کے سر بفلک

مینارے آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ مینارے حق کی طاعت کا اعلان ہیں، اور کلمۂ حریت کی فتح اور کلمۂ استبداد کے خسران و خذلان کی شہادت ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت حق کی ہے نہ کہ انسانی تاج و تخت کی۔ اور خدا کی سرزمین پر سب سے بڑا فتح مند وہی ہے، جس نے سب سے زیادہ مظلومی کے ساتھ اپنا خون بہایا۔ تیرہ سو برس ہوئے کہ اس سرزمین پر دو گروہ باہم معرکہ آرا ہوئے تھے۔ ایک گروہ صرف ۲، بھوکے پیاسے انسانوں کا ضعیف و ناتواں مجمع تھا، اور جانوں اور گردنوں کے سوا، اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوسری طرف، دمشق کا تاج و تخت، حکومت و سلطنت، ساز و سامانِ خسروی و ملوکی اور ہزارہا انسانوں کا قاہر و جابر گروہ تھا۔ بہ ظاہر پہلی جماعت نے شکست پائی، کیونکہ قتل کر دی گئی، اور اسکے خون سے ساحل فرات کی سرزمین مدتوں تک سرخ رہی۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک عارضی منظر تھا۔ غور کیجئے کہ آخر کی فتحمندی اور عاقبت کار کی کامیابی کس کو ہوئی؟ ان کو، جن کے نام و نشان سے بھی آج تمام سطح ارضی، خالی ہے یا اس کو جس کا گنبد آجتک اپنے بقاء ذکر اور کلمۂ باقیہ کے ثبوت میں سر بہ فلک استادہ ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ آج تمام شاہان بنو امیہ میں سے کسی ایک شخص کی قبر کا بھی دنیا سراغ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ بنو عباس نے ان کی قبروں کو اکھاڑ اکھاڑ کر مسمار کر دیا، اور کوئی اثر دنیا میں نہ باقی رکھا۔ برخلاف اس کے زمین کربلا کا اثر مجسم ابتک موجود ہے۔ اگرچہ مخالفین کے دست ظلم نے بارہا اس کو بھی مسمار اور بے نشان کرنا چاہا۔ تاہم اس کا نشان، کسی طرح نہ مٹ سکا۔ کیونکہ ظلم کا دھبہ نہیں دھل سکتا

(مضامین ابو الکلام آزاد۔ حصہ ششم ص۶۳)

۱۱۔ ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک

سنہ ۱۲۵ھ

پیدائش سنہ ۹۰ھ۔ بڑا فاسق، شرابی، عیاش اور لامذہب تھا۔ ربیع الثانی

میں بمقام "داردن" تخت نشین ہوا۔ مدیر "مولوی" لکھتے ہیں "عیش پسند اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اسے نغمۂ شیریں اور بادۂ رنگیں کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ جام و مینا اور شاہد و ساقی سے شغل رکھتا۔ اور اپنی لذت کے لئے دوسروں کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنے سے باک نہ کرتا۔ اس کی رنگین محفلیں، عورتوں کے خون سے قائم تھیں۔

ہشام نے پہلے تو درست کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب راہ راست پر نہ آیا، اور کوشش کامیاب نہ ہوئی تو ولیعہدی سے محروم کر دیا۔" (مولوی ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ص ۱۸)

یہ زندقہ مذہب کا پیرو تھا۔ اسلام کی سخت توہین کرتا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں عیاشی کے جو گل کھلائے، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سوتیلی ماؤں کی طرف نظر بد رکھتا، اور دست درازی کرتا۔ حقیقی بھائیوں سے اغلام کرتا۔

ابن طقطقی کہتے ہیں "ایک دن محل میں گیا تو اپنی بیٹی کو دایہ کے پاس بٹھا دیکھا۔ اس سے ہمبستری کر کے بکارت زائل کر دی۔ دایہ چلاتی رہی کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ پھر ولید نے اس مطلب کا شعر پڑھا۔

لوگوں سے شرم کرنے والا غم میں مرجاتا ہے، اور جری انسان لذتوں سے لطف اٹھاتا ہے۔" (الفخری ص ۱۲۰)

رات کو بدہوشی کے عالم میں کنیز سے ہمبستر ہوا۔ صبح کو موذن آیا کہ حضور، نماز پڑھا دیں

۱۔ "زندقہ" عہد خلافت عباسیہ میں بہت سے مجوسی ظاہر میں اسلام لائے، اور باطن میں اپنے قدیمی عقائد کے قائل تھے۔ اور کوشش کرتے تھے کہ اسلام کے پردہ میں مسلمانوں کو اپنے عقائد کی تلقین کر کے گمراہ کر دیں۔ یہی لوگ "زندیق" کہے جاتے تھے۔" (تاریخ الامت ج ۵ ص ۴۶)

"زندقہ"، لامذہبیت، دہریت۔ نیچری۔

۲ حنفیہ میں ہے کہ جو شخص عورت یا مرد سے اغلام کرے وانزال نہ ہو تو اس پر حد جاری نہ ہوگی یعنی سزا نہ دی جائے گی۔ اسی طرح چوپائے کے ساتھ کرنے والا بھی سزا سے بری ہے (ہدایہ ص ۴۹۶)

اس نے قسم کھا کر کہا۔ آج یہ کنیز ہی نماز پڑھائے گی۔ کنیز نے کپڑے پہنے۔ بھیس بدلا، اور نجاست ونشہ کے عالم میں نماز پڑھادی۔ (حیوۃ الحیوان ج ا صہ ۶۴)

شرابخواری کی یہ کثرت تھی کہ شراب سے حوض بھرا رہتا۔ اس میں کودپڑتا، اور اتنا پیتا کہ کنارے دکھائی پڑنے لگتے (حیوۃ الحیوان صہ ۶۴)

بے دینی کا یہ عالم تھا کہ قرآن سے فال لی۔ اس میں نکلا ”واستفتحوا وخاب کلّ جبار عنید“ انھوں نے فتح چاہی۔ اور ہر کینہ جو، ظالم نا امید ہوا (پ ۱۳۔ س ابراہیم رکوع ۲)

اس کو اتنا غصہ آیا کہ قرآن پر تیروں کی بارش کردی، یہاں تک کہ قرآن پارہ پارہ ہوگیا۔ پھر دو شعر اس مطلب کے پڑھے۔

”مجھے جبار وسرکش کی دھمکی دیتا ہے۔ ہاں میں جابر وسرکش ہوں۔ جب روز قیامت، خدا کے سامنے جانا تو کہدینا کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کردیا ہے“ (الفخری صہ ۱۲۰ تاریخ خمیس ج ۲ صہ ۳۵۰)

علامہ سیوطی کہتے ہیں ”ولید نے قرآن پر تیر مارے۔ فسق کیا، اور گناہوں سے نہ ڈرا (تاریخ الخلفاء صہ ۱۶۵)

ایک مرتبہ حج کو چلا تو اونٹوں پر شکاری کتے اور لہو ولعب کی چیزیں لادی گئیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ کعبہ کی چھت پر شراب پئے۔ لیکن لوگوں کے سمجھانے سے باز رہا۔ (حیوۃ الحیوان ج ا صہ ۶۴)

حضرت زید ابن امام زین العابدینؑ کی شہادت کے بعد، ان کے بیٹے ”یحییٰ“ جن کی عمر ۱۸ سال کی تھی، خراسان کی طرف بھاگ گئے تھے۔ جابجا ان کا تعاقب کیا گیا۔ ناچار بے چارے نے ہتھیار سنبھالے، اور شہید ہوئے۔ ان کا سر، یزید کے پاس دمشق بھیجدیا گیا۔ جسم کئی برس تک سولی پر لٹکا رہا۔ ان کی شہادت نے

خراسان میں تہلکہ برپا کر دیا۔ لوگوں نے ماتم کیا۔ "ابو مسلم" خراسانی نے ان کا بدلہ لینے کے لئے سیاہ کپڑے پہن کر خروج کیا۔ اس وقت سے سیاہ رنگ، عباسیوں کا نشان ہو گیا۔

"لوگوں نے ولید کو قتل کرنے کے واسطے گرفتار کیا تو اس نے کہا۔ کیا میں نے تم پر احسان نہیں کیا؟ انھوں نے کہا۔ ہم اپنے نفسوں کا بدلہ نہیں لیتے۔ بلکہ اس امر کا بدلہ لیتے ہیں کہ تو نے ان چیزوں کو حلال کیا، جن کو خدا نے حرام کیا۔ تو نے شراب پی، اور باپ کی بیویوں سے زنا کی۔ اللہ کے حکموں کو ذلیل کیا۔" (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۲)

سرداروں نے ۲۵ ر جمادی الثانی ۱۲۶ھ کو سازش کر کے قتل کر ڈالا۔

زانچناں بد زندگانی گشتہ بہ

آئیے، لگے ہاتھوں ایک شرابی کا واقعہ اور سن لیجئے۔ یہ بھی بنو امیہ کی ایک فرد، اور حضرت عثمان خلیفہ سوم کا بھائی ہے۔ اس کا نام ہے "ولید بن عقبہ"۔ بقول علامہ مسعودی، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جہنمی فرمایا ہے۔ یہ اُس دور کا واقعہ ہے، جب خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کی جانب سے کوفہ کا گورنر تھا۔

علامہ مسعودی اپنی تالیف مروج الذہب میں لکھتے ہیں۔

"ولید بن عقبہ اپنے ندیموں اور گویّوں کے ساتھ ساری رات مے نوشی اور شراب خواری میں مشغول رہتا تھا۔ جب موذن صبح کی اذان دیکر اس کو اطلاع دیتا تو یہ مدہوشی کے عالم میں نماز پڑھا دیتا۔ ایک روز اُس نے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھا دی، اور کہا اگر چاہو تو اور زیادہ رکعتیں پڑھا دوں۔ سجدہ میں دیر تک رہا، اور کہتا تھا۔ خوب پی اور مجھے بھی پلا۔ جو لوگ پہلی صف میں تھے، انھوں نے کہا۔ ہم کو اس شخص پر تعجب ہے جس نے اس کو ہمارا امام بنایا۔

ایک روز "ابو زینب بن عوف" اور "ابو جندب بن زہیر" نیز دوسرے نمازیوں نے اس پر ہجوم کیا۔ دیکھا تخت پر مدہوش پڑا ہے۔ ہوش میں لانے کے لاکھ جتن کئے

مگر کامیابی نہ ہوئی، آخر انھوں نے اس کی انگوٹھی اتار لی، اور فوراً مدینہ چل پڑے بارگاہ خلافت میں شکایت کی، اور ثبوت میں انگوٹھی پیش کی۔ حضرت عثمان نے ان کو خوب ڈانٹا، اور دھکے دے کر نکلوا دیا۔"

وزیرے چنیں شہریارے چناں

"ابو الفدا" میں اتنا اور زیادہ ہے کہ رکوع وسجود میں کہتا جاتا تھا۔ پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔ یہاں تک کہ محراب میں قے کردی۔ ہوش آیا تو پوچھا۔ کیا میں نے زیادہ نماز پڑھا دی ہے؟ جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعودؓ نے ولید کی طرف گھور کر دیکھا، اور بولے۔ خدا تیرے لئے نیکی نصیب نہ کرے، اور تجھے ہمارا امام نہ بنائے۔ تو ہمیشہ زیادہ نماز پڑھاتا رہا ہے (خلاصہ)

اسپ قلم کا شکریہ کہ اس منزل تک پہنچا دیا۔ اس موقع پر چند شاہان بنی عباس کا تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ان کو شکایت ہوگی کہ ہم عیاشی وشہوت پرستی میں کسی سے کم نہ تھے، اور دشمنی اہلبیتؑ میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پھر ہم کو کیوں نظر انداز کر دیا؟

دولت کے سیلاب کے ساتھ عیش اور لذت پرستی کے خس وخاشاک لازمی ہیں۔ اس سے شاہان بنو عباس بھی محفوظ نہیں تھے۔

"بنی عباس کا پانچواں بادشاہ "ہارون رشید بن مہدی" تھا، "خیزران" کے بطن سے ۱۴۵ھ میں بمقام "رے" پیدا ہوا۔ ہادی کے انتقال کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں جبکہ اس کا سن ۲۵ سال کا تھا، تخت خلافت پر بیٹھا۔" (تاریخ الامت ج ۴ صـ۱۰۰)

ایک روز باپ کی کنیز کو دل دے بیٹھا، اور نہ سمجھا کہ "دل باختگی" اور "آبرو باختگی" میں کچھ فاصلہ نہیں۔ حرف وصل زبان پر لایا تو کنیز نے نفی میں جواب دیا، اور کہا۔ تیرا باپ مجھ سے ہمبستر ہو چکا ہے۔ میں تجھ پر حرام ہوں۔ رات کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف کو بلا کر کہا۔ اس کے حلال ہونے کا ڈھنگ نکالو۔ ابو یوسف نے کہا۔ جہاں پناہ! اس کا کیا ثبوت کہ وہ سچ کہتی ہے۔ اپنے باپ کی عزت ضایع کیجئے۔ وصل سے لطف اندوز ہوجیے۔ اس کا وبال میری گردن پر سہی۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

راوی "ابن مبارک" کہتے ہیں۔ میں سب سے زیادہ ہارون رشید پر تعجب کروں جس نے اپنے باپ کی عزت کا بھی احترام نہ کیا۔ یا اُس کنیز پر جس نے عزت بچانے میں بادشاہ وقت کی تمناؤں کو ٹھکرا دیا۔ یا مسلمانوں کے قاضی القضاۃ اور فقیہ زمانہ پر تعجب کروں (تاریخ الخلفا ص ۳۰۱)

"اسحٰق ابن راہویہ" کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون رشید نے امام ابو یوسف کو بلا کر، باپ کی کنیز کی بابت فتویٰ طلب کیا۔ اور ایک لاکھ درہم دئیے جانے کا حکم دیا۔ ابو یوسف نے کہا۔ حضور! رقم فوراً ملنی چاہیئے۔ لوگوں نے کہا۔ خزانچی اپنے گھر ہے، اور دروازے بند ہیں۔ ابو یوسف نے کہا۔ جب مجھے بلایا گیا تھا، تب بھی دروازے بند تھے۔ غرضیکہ دروازے کھولے گئے، اور ایک لاکھ درہم دے کر حرام کو حلال کرا لیا گیا (تاریخ الخلفا ص ۳۰۲)

سادات اور اہلبیتؑ کا سخت دشمن تھا۔ ان پر ہر قسم کی سختی جائز جانتا تھا۔ سب سے بڑا داغ اس کے نام پر مثل اس کے دیگر اہل خاندان کے سادات دشمنی کا ہے۔ "سندی ابن شاہک" کے ذریعے امام موسیٰ کاظمؑ کو زہر دلا دیا جس سے ۲۵ رجب ۱۸۳ھ مطابق ۷۹۹ء کو بعمر ۵۵ سال آپؑ کی شہادت ہوئی، اور کاظمین میں دفن ہوئے۔

مولوی محمد اسلم لکھتے ہیں "ہارون انھیں وجوہات سے علوین کی طرف سے ہر وقت خطرہ میں رہتا تھا، اور امرا یا وزرا میں سے جس شخص کی بابت سنتا تھا کہ وہ اہلبیتؑ کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے، اس کو سخت سزا دیتا۔ اسی اندیشہ سے امام موسیٰ کاظمؑ کو بغداد میں اپنی نگرانی میں رکھ چھوڑا تھا۔ ان کو کہیں جانے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی وہیں ہوا" (تاریخ الامت ج ۴ ص ۱۰۴)

ابن الوردی شافعی کا بیان ہے "۱۸۳ھ میں امام موسیٰ کاظمؑ نے قید خانہ ہارون رشید میں بمقام بغداد وفات پائی (ابو الفداء ج ۲ ص ۱۵)

علامہ دیار بکری کہتے ہیں "یحییٰ ابن خالد برمکی" نے ہارون رشید کے حکم سے امام موسیٰ کاظمؑ کو رطب میں زہر دے دیا (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۳۳۲)

حضرت کی لاش بغداد کے پل پر رکھ دی گئی۔ ایک شخص نے غلاموں کو تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ ایک کفن بردیمانی کا دیا گیا جو ڈھائی ہزار درہم کا تھا۔ اس پر پورا قرآن لکھا ہوا تھا۔ حضرت ۱۴ سال تک قید خانہ میں رہے۔ بعد وفات، آپ کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کاٹی گئیں۔

ہارون نے تین جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۸۰۹ء کو رات کے وقت وفات پائی۔ اس کے بیٹے صالح نے نماز پڑھائی۔ طوس میں دفن ہوا۔ مدت حکومت ۲۲ سال ۲ ماہ اور ۱۸ روز (تاریخ الامت ج ۴ ص ۱۲۹)

بنی عباس کا چھٹا بادشاہ "امین بن ہارون" تھا۔ والدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور، ولادت ۱۷۰ھ۔ ہارون نے ۱۷۵ھ میں اس کی ولایت عہد کا فرمان لکھا۔

"امین نے اپنی چھوٹی پھوپھی سے زنا کیا تو کنواری نہ پایا۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ تیرے باپ ہارون کے ہاتھوں کسی کی عصمت محفوظ رہی ہے؟ (نزھۃ اثنا عشریہ ج ۱)

"ابن جریر" کا بیان ہے کہ امین بادشاہ ہوا تو خواجہ سرا خریدے۔ ان کے ساتھ حد سے زیادہ ربط ضبط رکھتا۔ ان سے خلوت کرتا۔ بیویوں اور کنیزوں سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۹)

"امین جس وقت خلیفہ ہوا، اپنے عیش کے سامان میں مصروف ہو گیا۔ لہو و لعب، غناء اور نبیذ بھی اس کی دلچسپی کی چیزیں تھیں۔ اطراف ملک سے اسی قماش کے لوگوں کو جمع کر کے اپنے ہم نشینوں میں شامل کر لیا، اور ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ خزانہ کے جواہر، لونڈیوں اور خواجہ سراؤں میں تقسیم کر دیئے۔ اپنے لئے نئے نئے قصر اور محلات تعمیر کئے۔ جا بجا سے طرح طرح کے جانور اور پرند منگائے۔ ہاتھی، شیر، گھوڑے۔ عقاب اور سانپ کی صورت کی پانچ کشتیاں بنوائیں کہ ان کے اوپر سوار ہو کر دجلہ میں تفریح کرے (تاریخ الامت ج ۴ ص ۱۴۱)

ناٹک کی ایک محفل "اندر سبھا" کی طرح ترتیب دیا۔ یہ تھیٹر اپنے زرق برق ساز و سامان

سے پریوں کا اکھاڑہ معلوم ہوتا۔ خود تو عیش و عشرت میں مشغول رہتا، اور سلطنت کا سیاہ و سفید، فضل بن ربیع کے سپرد کر رکھا تھا۔

امین و مامون دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑی۔ مامون کے سرداروں نے ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں امین کو قتل کر دیا۔ امین کی مدت حکومت ۳ سال ۸ مہینے رہی۔

"ساتواں خلیفہ" "عبداللہ المامون بن ہارون الرشید" اس کی والدہ جس کا نام "مراجل" تھا۔ ام ولد (کنیز) تھی۔ مامون کی ولادت ۱۷۰ھ میں اسی دن ہوئی جس دن ہارون، خلیفہ ہوا۔ جب اس کا سن تیرہ سال کا ہوا تو اس نے امین کے بعد اس کی ولیعہدی کا فرمان لکھا۔ اور خراسان کا اس کو امیر بنا دیا۔

"جعفر بن یحییٰ برمکی" اس کا اتالیق اور کارپرداز تھا۔ (تاریخ الامت ج ۴ ص ۱۴۲)

"منصور برمکی" نے بیان کیا کہ ہارون رشید کی ایک کنیز تھی۔ اس کا بیٹا مامون، اس پر عاشق ہو گیا۔ ایک روز کنیز، ہارون رشید کے ہاتھ پر پانی ڈال رہی تھی، پیچھے مامون کھڑا تھا۔ دونوں میں آنکھوں سے اشارہ بازی ہونے لگی۔ اس شغل میں پانی ڈالنے سے ہاتھ رک گیا۔ ہارون کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ہاتھ رکنے کی وجہ نگاہوں کے تیر تھے۔ میں آنکھ مارنے میں مصروف رہی، اور ہاتھ رک گیا۔ پھر ہارون نے اپنے بیٹے مامون سے پوچھا۔ کیا تم اسے چاہتے ہو؟ جواب دیا۔ جی ہاں۔ ہارون نے کہا۔ دونوں اس کمرے میں چلے جاؤ۔ دونوں نے خلوت کی۔

چوں یار بدست آید خلوت ز ہمہ خوشتر

جب باہر نکلے تو باپ نے بیٹے سے کہا۔ بیٹا! لطف صحبت کی نسبت کچھ اشعار سناؤ۔ مامون نے برجستہ اس مطلب کے چار شعر سنائے۔

"میں نے بکری کی بولی بول کر، دلی رغبت کے ساتھ کنیز کو گود میں اٹھا لیا۔ اس نے اشاروں سے میرے ہونٹوں کو باز رکھا، اور حجاب دور کر کے نہایت نخرہ سے میرے لبوں کو رد کر دیا۔ میں لطف اندوز ہوتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس پر قدرت پائی۔" (تاریخ الخلفا ص ۲۲۴)

مامون نے مصلحتاً امام علی رضاؑ کو مدینہ سے بلا کر ۲ رمضان سنہ ۲۰۱ھ میں باوجود ان کے سخت انکار کے اپنا ولیعہد بنا دیا۔ ان سے اپنی بیٹی "ام حبیب" کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کر کے بنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا۔ امام رضاؑ کی ولیعہدی کی خبر سنکر بغداد کے عباسی یہ خیال کر گئے کہ حکومت ہمارے خاندان سے نکل چلی۔ کمال سوختہ ہوئے۔ انھوں نے "ابراہیم بن مہدی" کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور محرم سنہ ۲۰۲ھ میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ مامون کو ان شورشوں کی خبر ہوئی تو "طوس" پہنچا۔ اور امام رضاؑ کو جن کی ولیعہدی کی وجہ سے بغداد میں بغاوت ہوئی تھی، انگوروں میں زہر ملا کر دیا جس سے ۱۷ صفر سنہ ۲۰۳ھ کو بعمر ۵۵ سال آپؑ کی شہادت ہوئی۔ مشہد مقدس "خراسان" میں۔ (کامل ابن اثیر ج ۶ صـ۱۱۹ مروج الذہب ج ۲ صـ۲۳۳ شواہد النبوۃ صـ۲۰۳)

مامون نے سنہ ۲۱۸ھ میں جب قہ سے روم کی طرف فوج کشی کی تو مقام "بدندون" میں جا کر اس کو بخار آیا، اور ۱۸ رجب کو وہیں انتقال کر گیا۔ لوگوں نے "طرطوس" میں لے جا کر اس کو دفن کیا۔ عمر ۴۸ سال کی تھی۔ مدت خلافت ۲۰ سال پانچ مہینے تین دن رہی۔ (تاریخ الامت ج ۴ صـ۱۹۳)

۱۲۔ یزید بن ولید بن عبد الملک

خوبصورت۔ گندمی رنگ۔ تھوڑا سا لنگڑا پن۔ اس کو "یزید الناقص" بھی کہتے تھے، کیونکہ اس نے فوج کی تنخواہ کم کر دی تھی۔ عیدین کی نماز میں ہتھیار لگا کر پڑھتا تھا۔ حکومت کی مدت ۲ مہینے ۹ دن۔ ۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶ھ کو طاعون میں مر گیا۔ مرتے وقت بجائے کلمہ کے "واحسرتا و اسفاہ" تھا۔

۱۳۔ ابراہیم بن ولید

سرخ و سفید اور بہت تن و توش کا انسان تھا۔ سنہ ۱۲۶ھ میں بادشاہ ہوا۔ وہ

مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ روز دوشنبہ ۱۴ صفر ۱۲۷ھ مروان بن مروان بن حکم نے تخت وتاج پر قبضہ کرلیا۔ بادشاہوں کی لاشیں قبروں سے نکال کر سولی پر چڑھائی گئیں۔ خاندانی خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، جس سے بنی اُمیّہ کو زوال ہوگیا۔ ۴۰ برس کی عمر میں دریائے "زاب" میں ڈوب کر مرگیا۔ مہر کی تحریر تھی "توکلت علی الحی" یعنی خدا پر بھروسہ کیا۔ تاریخ الخلفا میں مہر کا نقش لکھا ہے "ابراہیم یثق باللہ" ابراہیم اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (ص ۱۷۱)

۱۴۔ مروان الحمار

بنی امیّہ کا آخری تاجدار۔ بزم اموی کا ٹمٹماتا چراغ۔ نسل امیّہ کی آخری نشانی۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اس کو مران الحمار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ محنت ومشقت برداشت کرنے والے کو "حمار" گدھا کہا جاتا تھا۔ اس کا زمانہ لڑائیوں میں گذرا، اور اس نے بہت مشقت برداشت کی۔ لہذا یہ نام رکھا گیا۔

روز دوشنبہ ۱۵ صفر ۱۲۷ھ کو تخت پر بیٹھا۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست ۷۵۰ء کو "بوصیر" میں عباسی دستوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بنی امیّہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

بنی عباس کی سیاسی سرگرمی، سرخ آندھی بنکر اٹھی، اور سلطنت بنی اُمیّہ کو بیخ وبن سے اکھیڑ دیا۔ اتنی بڑی حکومت اور قلیل مدّت میں بے نشان۔ یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے جس کو اس طرح قرآن میں بیان کردیا ہے "وکذالک نولی بعض الظالمین بعضاً بما کانوا یکسبون" اسی طرح ظالموں ہی میں سے ان کے اعمال کی بدولت ہم بعض کو دوسرے پر مسلط کردیتے ہیں (پ ۸ س الانعام رکوع ۱۲)

حضرت عباسؓ

"عبدالمطلب بن ہاشم" کے اگرچہ دس بیٹے تھے۔ لیکن ان کے دو بیٹوں ابوطالبؑ اور "عباسؓ" کی اولاد کثرت کے ساتھ بڑھی۔ اور افریقہ سے لے کر ایشیا تک، اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔

حضرت عباسؓ

ان کی والدہ "نُتَیلہ" بنت "جناب" تھیں۔ ولادت، عام فیل سے ۳ سال قبل ہوئی تھی۔ یعنی نبیؐ سے سن میں تین سال بڑے تھے۔ اس خاندان میں ۳۷ بادشاہ ہوئے جنھوں نے ۵۲۵ برس حکومت کی۔

ان کی بہت اولادیں تھیں۔ بیٹوں میں "فضل" سب سے بڑے تھے، اسی وجہ سے ان کی کنیت "ابوالفضل" تھی۔ بجز عبداللہ بن عباس کے کسی کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عباسؓ کی وفات حضرت عثمان کے عہد میں ۱۴ رجب ۳۲ھ کو مدینہ میں ہوئی۔ عمر ۸۸ سال کی تھی۔ بقیع میں دفن ہوئے (تاریخ الامت ج ۳ صفحہ ۴ تا ۶)

منصور دوانیقی

ایک ایک دانگ پر جان دیتا تھا، اس لئے "دوانیقی" مشہور ہوگیا، بنی عباس کا دوسرا بادشاہ تھا، اس کی ماں کنیز تھی، جس کا نام "سلامہ" تھا۔ اس کی پیدائش ۱۰۱ھ میں "حمیمہ" میں ہوئی تھی۔ اپنے بڑے بھائی "سفّاح" کے مرنے کے بعد ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں بمقام "انبار" تخت نشین ہوا۔

اس نے حضرت علیؑ کی اولاد کے ساتھ اتنے ظلم کئے ہیں کہ عباسی تاریخ کے صفحے سیاہ اور داغدار ہیں۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج بویا۔ اس سے پہلے دونوں میں اتفاق تھا۔

امام حسنؑ کے دو پر پوتے "محمد بن عبداللہ نفس زکیہ" اور "ابراہیم" تھے اسی منصور نے محمد کو "عیسیٰ بن موسیٰ" ولیعہد سلطنت کے ذریعے ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کو مدینہ میں شہید کرایا۔ ان کا سر منصور کے پاس بھیجا گیا عیسیٰ مدینہ میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے اولاد امام حسن کے اموال ضبط کئے۔

محمد کے بھائی "ابراہیم" بصرہ میں تھے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے ان کی حمایت کی بیعت کی تھی۔ اسی دوران میں ابراہیم کو اپنے بھائی محمد کے قتل کی خبر ملی۔ اس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کو عیسیٰ کو بھیج کر ان کو قتل کیا (تاریخ الاثیر ج ۴ صفحہ ۴۰)

اس کے بعد منصور نے اولاد حسنؑ اور حسینؑ کی جائدادیں ضبط کرلیں۔ اولاد امام حسنؑ سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ زندہ دیواروں میں چنوا دیا، اور بہت سے قید کر دیئے گئے۔

ابن طقطقی لکھتے ہیں "منصور عباسی نے اولاد امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ اسی قید خانہ میں مر گئے"۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ داروغہ زندان نے آواز دی۔ جو اولاد حسنؑ سے ہوں وہ قید خانہ کے اندر آجائیں۔ یہ سنکر امام حسنؑ کی اولاد امجاد اندر داخل ہو گئی۔ پھر اس نے آواز دی۔ حسینؑ کی نسل کے جو ہوں، وہ اس دروازے سے اندر جائیں۔ چنانچہ امام کے پوتے پروتے اندر چلے گئے۔ بعد ازاں لوہاروں کو بھیج کر سب کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر کوفہ بھیجدیا۔ وہ سب کوفہ کے قید خانہ میں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

عجیب ترین واقعہ یہ ہے کہ امام حسنؑ کے پوتے "علی" منصور کے پاس تشریف لائے۔ منصور نے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ تو نے میرے عزیزوں کو قید کر رکھا ہے۔ جس سے زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ اب میں دنیا میں رہنا نہیں چاہتا۔ منصور نے ان کو گرفتار کرلیا، اور کہا۔ تم کو اس بری طرح قتل کروں گا کہ کسی کو اس طرح

قتل نہیں کیا۔ پھر آپ کو زندہ ستون میں چنوا دیا۔ وہ نہایت حسین وجمیل تھے۔ اس لئے ان کو "الدیباج الاصغر" کہا جاتا تھا۔ (الفخری ص۱۵۰ طبع انوار المطابع لکھنؤ)

جرجی زیدان عیسائی لکھتے ہیں کہ منصور عباسی نے خانۂ کعبہ کی وقعت کم کرنے اور لوگوں کو حج کرانے کی غرض سے "قبۃ الخضراء" تعمیر کرایا تھا (ترجمہ تمدن اسلامی ج ۲ ص۳۷)

۷ ذی الحجہ ۱۵۸ھ مطابق ۸ اکتوبر ۷۷۵ء کو "بئر میمون" میں انتقال کیا۔ مدت حکومت ۶ دن کم ۲۲ سال۔ مہر کا نقش تھا "الحمد للہ کلہ"۔ خدا ہی کے لئے ساری تعریفیں ہیں۔ وصیت نامہ لکھوایا گیا تو لکھا تھا۔ دس برس تک خراج کی ایک پائی نہ ملے تو فوج کی تنخواہ اور حکومت کے مصارف نہیں رک سکتے ہیں۔ کیونکہ میں نے زر وجواہر سے خزانہ بھر دیا ہے۔

معتصم ابن ہارون الرشید

آٹھواں عباسی بادشاہ تھا۔ اس کی ولادت ۱۷۹ھ میں ایک کنیز "باردہ" نامی کے شکم سے ہوئی تھی۔ مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ رجب ۲۱۸ھ مطابق ۱۰ اگست ۸۳۳ء کو طرسوس میں بیعت ہوئی (تاریخ الامت ج ۴ ص۱۹۳) شہر "سامرہ" اسی نے آباد کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ترکوں کی کثرت سے بغداد میں ان کی گنجائش نہ تھی، اور ان کی جہالت ودحشت سے باشندوں کو اذیت ہونے لگی۔ نیز ایرانی اور ترکی سپاہیوں میں عداوت پیدا ہو گئی۔ اس لئے بغداد سے ۹۰ میل کے فاصلہ پر دجلہ کے کنارے اس مقام کو چھاؤنی کے لئے منتخب کیا۔ پھر اسی کو دار الخلافہ بنایا۔

معتصم نے امام محمد تقی کو زہر دلا کر شہید کرایا۔ جب اس نے امامؑ کے فضائل کی شہرت سنی تو حسد پیدا ہوا، اور مدینہ سے بغداد طلب کیا۔ آپؑ نے اپنے فرزند امام علی نقیؑ کو اپنا جانشین بنایا۔ کتب الٰہی کے علوم اور رسول خداؐ کے آثار سپرد کر دیے۔

آپ ۹ محرم سنہ ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے، اور اسی سال آپ کو زہر دیا گیا (صواعق محرقہ ص ۱۲۲ وسیلۃ النجاۃ ص ۳۹۷)

ایک روایت کے مطابق آپ کی بیوی "ام الفضل" نے زہر دیا جو مامون کی بیٹی تھی۔ بیوہ ہو جانے کے بعد اپنے چچا معتصم کے یہاں آگئی۔

بقول جرجی زیدان "معتصم نے سامرہ میں خانۂ کعبہ کی شبیہہ رکھوائی تھی، اور "منیٰ" اور "عرفات" کے نام سے چند مقاموں کو نامزد کیا تھا۔ لوگ اس شبیہہ کے گرد طواف کیا کرتے تھے۔" (ترجمہ تمدن اسلام ج ۲ ص ۲۹)

یکم محرم سنہ ۲۲۷ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا، اور ۸ ربیع الاول سنہ ۲۲۷ھ مطابق ۵ جنوری سنہ ۸۴۲ء کو سامرہ میں وفات پائی۔ مدت حکومت ۸ سال ۸ ماہ اور ۸ روز۔

متوکل

دسواں عباسی بادشاہ ہے۔ اس کی ولادت مقام "فم الصلح" میں ایک خوارزمی کنیز "شجاع" نامی کے شکم سے شوال سنہ ۲۰۶ھ میں ہوئی۔ حکومت ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۲۳۲ھ سے ۴ شوال سنہ ۲۴۷ھ تک ۱۴ سال ۵ ماہ اور ۱۰ روز۔

بڑا ظالم، شرابی اور عیاش بادشاہ تھا۔ چار ہزار کنیزیں تھیں، ان سب سے ہمبستر ہو چکا تھا۔ اس کے دربار میں مسخراپن بہت ہوتا تھا۔ جو مسخرے پن میں بڑھ کر ہوتا وہی اس کا محبوب ہوتا تھا۔ محفل بزم میں مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ ظرافت کرتا تھا۔ کبھی کبھی محفل میں شیر چھوڑ وا دیتا۔ کبھی کسی کی آستین میں سانپ چھوڑ دیتا۔ جب وہ کاٹتا تو تریاق سے علاج کرتا۔ کبھی مٹکوں میں بچھو بھروا کر انھیں بزم میں تڑوا دیتا۔ بچھو مجلس میں پھیل جاتے۔ کسی کو حرکت کی اجازت نہ ہوتی۔

تمام بنی عباس میں "متوکل" حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی دشمنی میں بدنام ہے، جس

شخص کے متعلق اس کو خبر ملتی کہ علویہ میں سے کسی کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ اس کا خون اور مال سب حلال سمجھتا۔

اس کے ندیم وجلیس بھی زیادہ تر اسی عقیدے کے تھے جو ہمیشہ اس کو علویوں کی طرف سے بدظن رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ان کے بزرگوں سے بھی جو دین وتقویٰ کے لحاظ سے امت میں مقبول تھے، بغض رکھنے لگا۔ ۲۳۶ھ میں حکم دیا کہ کربلا میں امام حسینؑ کی قبر منہدم کرادی جائے، اور اس پر کاشت ہو۔ کوئی زیارت کے لئے نہ جانے پائے۔ اس حکم کے مطابق امام حسینؑ کی قبر کے تمام مجاور نکال دیئے گئے۔ اور وہاں کی ساری عمارتیں گرادی گئیں۔ زائرین کا آنا جانا قطعاً بند ہوگیا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ متوکل ناصبی تھا۔ علیؑ اور ان کی اولاد کا سخت دشمن تھا۔

صاحب "گلزار شاہی" کہتے ہیں کہ اس کے وقت میں، سادات مصیبت کے مارے جلاوطن ہوگئے۔ کربلا کے روضے جو عمر ابن عبدالعزیز نے بنوائے تھے، اور ان کے گرد کے مکانات، سب مسمار کر دیئے گئے۔

صاحب السیر لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے حکم دیا کہ کوئی شخص مزار علیؑ اور ان کی اولاد کی زیارت کو نہ جائے۔ نیز حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے مزارات گرا کے ان پر زراعت کے لئے پانی چھوڑ دیں۔

تاریخ "گزیدہ" میں ہے کہ ہرچند کوشش کی گئی، مگر قبر پر پانی جاری نہ ہوا جس سے لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔ اسی وجہ سے اس مشہد مقدس کو "حائر" کہنے لگے یعنی حیرت میں ڈالنے والا۔

متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گرجوں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں۔ اس نے بنی فاطمہؑ سے باغ فدک بھی چھین لیا تھا۔

تاریخ الامت میں ہے "اس کے عہد میں فرقہ اثنا عشریہ کے امام علیؑ ہادی بن جواد تھے متوکل نے ان کو سامرہ میں خاص اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔ وہاں بیس سال رہ کر انھوں نے

انتقال کیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب "عسکری" ہے، کیونکہ سامرہ، لشکرگاہ ہونے کی وجہ سے عسکر کہا جاتا تھا۔

ایک بار متوکل کو یہ خبر پہنچی کہ امام معصوم کے پاس اُن کے شیعوں کی آمد و رفت رہتی ہے، اور انھوں نے اپنے گھر میں بہت آدمی اور اسلحے فراہم کئے ہیں۔ اس لئے رات کو ان کی خانہ تلاشی کے لئے سپاہی بھیجے گئے۔ امام موصوف ایک اونی قمیص پہنے اور ایک اونی رومال سر پہ باندھے ہوئے تلاوت قرآن اور دعا میں مصروف تھے۔ ان کے گھر میں کوئی چیز نہ نکلی یہاں تک کہ بستر بھی بجز ریگ کے نہ تھا۔ اسی حالت میں لوگ ان کو متوکل کے پاس لائے۔

متوکل کے عہد میں امام زین العابدینؑ کے پوتے "یحییٰ بن عمرؒ" نے مخالفت کا سامان کیا۔ لیکن گرفتار ہو گئے۔ دربار میں لاکر "عمر بن فرج" کاتب نے ان کو ۱۸ کوڑے مارے، اور بغداد میں قید کر دیا۔ (ج ۵ صـ۸۰)

"یعقوب ابن سکیت"، دوستدار اہلبیتؑ تھے۔ اس کے دو بیٹے "موید" اور "معتز"، کے معلم تھے۔ سنہ ۲۴۴ھ میں اس نے یعقوب سے پوچھا۔ میرے یہ دونوں بیٹے افضل ہیں یا حسنؑ و حسینؑ؟ انھوں نے جواب دیا۔ حضرت علیؑ کا غلام "قنبر" ان دونوں سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ متوکل کو غصہ آیا، اور اُن کو شہید کرا دیا۔

۴ شوال سنہ ۲۴۷ھ کو "بغا" سردار نے۔ اسپاہیوں کے ساتھ قصر میں داخل ہو کر اسکے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ اس میں متوکل کا بیٹا "منتصر" بھی شریک تھا۔

معتز

اس کی ولادت ایک کنیز کے بطن سے سنہ ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی۔

اس کے عہد میں امام علی نقیؑ جو شیعہ اثنا عشریہ کے دسویں امام تھے، سامرہ میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے "حسن عسکریؑ" امام ہوئے۔

سنہ ۲۴۳ھ میں متوکل نے امام علی نقیؑ کو مدینہ سے بلا کے سامرہ میں قید کیا تھا۔

۱۱ سال کے بعد حضرت کی شہادت ہوئی، اور سامرہ میں ہی دفن کئے گئے (صواعق محرقہ ص۱۲۴)

۳ رجب ۲۵۴ھ میں بعمر ۴۱ سال معتز باللہ کے زمانے میں زہر سے شہید کئے گئے (تذکرہ خواص الامۃ)

معتز نے فوج کو تنخواہ نہ دی۔ اس پر فوج بگڑ گئی، اور ۲۷ رجب ۲۵۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۸۶۹ء کو محل گھیر لیا۔ آخر تین دن تک بھوکا پیاسا قید میں رکھا، اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ مدت حکومت ۳ سال ۶ ماہ ۲۳ دن۔

معتمد

احمد معتمد علی اللہ بن متوکل۔ اس کی ولادت "فتیان"، نامی، کوفہ کی ایک کنیز کے شکم سے ۲۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

معتمد کے عہد میں اثنا عشریہ کے گیارہویں امام ابو محمد حسن عسکری" نے ۲۶۰ھ میں سامرہ میں وفات پائی، اور وہیں اپنے باپ کے پہلو میں مدفون ہوئے (تاریخ الامت ج ۵ ص۴۳)

حضرت ع کو بادشاہ "معتمد علی اللہ"، نے زہر دلوایا جس سے آپ نے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ انتقال فرمایا۔ اور وہیں اپنے والد ماجد حضرت امام علی نقی ع کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ جب حضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو پورا شہر سامرہ ہلنے لگا رونے پیٹنے کا شور برپا ہوگیا۔ بازار بند ہوگئے۔ بنی ہاشم، منشی، قاضی، ارکان دولت، اعیان حکومت اور عامۂ خلائق، حضرت کے جنازہ میں شرکت کے لئے دوڑ پڑے۔ شہر سامرہ، اس روز قیامت کا نمونہ ہوگیا تھا۔ جب لوگ حضرت کی تجہیز سے فارغ ہوئے تو حضرت حجۃ خدا امام عصر نے حضرت کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور اسی گھر میں دفن کیا جس میں آپ کے والد گرامی مدفون تھے۔ (نور الابصار ص۱۶۵)

وہ امور خلافت پر چونکہ "موفق"، حاوی تھا معتمد کو ان میں کوئی دخل نہ تھا، اس لئے وہ لہو و لعب، غنا و شراب، اور رقص و سرود کی محفلوں میں اپنا وقت گذارتا تھا۔ بزم آرائی

کے عجیب و غریب آئین نکالے تھے۔ اسی میں وفات بھی پائی۔ ایک بار شراب زیادہ پی لی، اس پر کھانا کھالیا جس سے تخمہ ہو گیا۔ شب دو شنبہ ۱۹ رجب ۶۴۰ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۲۴۲ء میں انتقال کر گیا۔" (تاریخ الامت ج ۵ صـ ۶۳)

مستعصم باللہ

بنی عباس کا آخری تاجدار مستعصم باللہ بن مستنصر باللہ ۱۰ جمادی الثانی مطابق ۶ دسمبر ۱۲۴۲ء کو تخت حکومت پر بیٹھا۔ کمزور طبیعت، کم ہمت، متلون مزاج بزدل، عیش پسند اور متکبر تھا۔ آستانۂ دار الحکومت میں حجر اسود کے طور پر ایک پتھر ڈال رکھا تھا۔ اور جھروکے سے طلسی بقال بطور آستین کے لٹکا رکھا تھا۔ جو شخص وہاں پہنچتا، اس کو مانند کعبہ کے آنکھوں سے ملتا۔ اور اس پتھر کو حجر اسود کی طرح بوسہ دیتا۔ "موید الدین محمد بن احمد علقمی" دوستدار اہلبیت اس کا وزیر تھا۔

بغداد کے مغربی حصہ محلہ "کرخ" میں دوستداران اہلبیت رہتے تھے۔ مستعصم باللہ نے اپنے بیٹے "ابوبکر" کو حکم دیا کہ محلہ کرخ کو مسمار کر ڈالو، اور وہاں کے باشندوں کو غلام بنالو۔ چنانچہ اس نے کرخ کو لوٹ لیا، بیویوں نے شوہروں کے سامنے عورتوں سے زنا کیا، اور بہت سے سادات کو گرفتار کر کے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قید کر دیا۔ وزیر موید الدین ابن علقمی کو بہت صدمہ ہوا، اور اس نے مغلوں کو بلا لیا۔

۱۵ محرم ۶۵۶ھ کو ہلاکو خاں اپنا جرار لشکر لے کر بغداد کی طرف آیا، اور دس روز کے اندر شہر میں داخل ہو گیا۔ بغداد کی آبادی ۲۰ لاکھ سے زیادہ تھی۔ چند ہفتہ کے قتل عام میں بروایت ابوالفدا ۱۶ لاکھ اور بروایت ذہبی ۱۸ لاکھ قتل ہوئے۔ جو برتاؤ اہل کرخ کی عورتوں کے ساتھ کیا گیا تھا، وہی برتاؤ ان وحشی مغلوں نے ان کی عورتوں کے ساتھ کیا۔ نازوں کی پلی بیگمات کی عزت محفوظ نہ رہی۔

ابوبکر بن مستعصم کو مع ایک جماعت کے "باب کلواذی" پر پھانسی دی گئی۔ ہلاکو نے خلیفہ اور اس کے دوسرے بیٹوں اور خواجہ سراؤں کو ۴ صفر ۶۵۶ھ کو ساتھ لیا، اور پہلے ہی مرحلہ میں سب کو قتل کر دیا، جس سے شہنشاہیت عباسیہ کا آفتاب جو

۵۲۵ سال سے تاباں تھا، غروب ہو گیا۔

خراسانی علم نے گرا تھے تھے، جنھوں نے عباسیوں کو عرش حکومت پر بٹھا دیا تھا، اسی طرف سے تاتاریوں کا سیلاب آیا، جو ان کو اور ان کے تخت کو خونیں موجوں میں بہلے گیا۔ قرآن کا حکم ہے ”وتلک الایام نداولھا بین الناس“ یہ تو اتفاقات زمانہ ہیں جو ہم آدمیوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں (پ ۴ س آل عمران ع ۳)

حکومت عباس کا آغاز ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ہوا، جس کا پہلا بادشاہ ”سفاح“ تھا، اختتام ۴ صفر ۶۵۶ھ کو آخری بادشاہ مستعصم کے قتل پر ہوا۔ یہ حکومت ۵۲۵ تک قائم رہی، اور ۳۰ بادشاہ ہوئے۔

آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں　　بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

(اگر آسمان، سلطان مستعصم عباسی کی بربادیٔ سلطنت پر خون کے آنسو روئے تو حق بجانب ہے)

یہ مطلع شیخ سعدیؒ کے اس مرثیہ کا ہے، جو انھوں نے بغداد کی تباہی پر لکھا تھا۔ مرثیہ کیا ہے۔ جگر کے ٹکڑے نکال کر رکھدئیے ہیں۔ خود روئے ہیں، اور دوسروں کو رلایا ہے۔ آج بھی ہر تاریخ داں، بغداد کا نام سنتے ہی آہ سرد بھر کر رہ جاتا ہے۔ ناممکن ہے کہ بغداد کا نام آئے، اور آنکھیں اشکبار نہ ہوں۔

ہلاکو خان تاتاری کی لائی ہوئی سرخ آندھی تھی، جو سارے ملک پر چھا گئی اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بنچے سجائے اور آئینہ بند بازاروں میں گدھوں کے ہل چل گئے۔ محلوں کی چہل پہل، سناٹے سے بدل گئی، برسوں کسی کے لب پر مسکراہٹ اور چہرے پر مسرت نہ دیکھی گئی۔

بظاہر فتنہ تاتار تھا۔ لیکن اس کی تہ میں سنی شیعہ اختلاف کام کر رہا تھا۔ سواد اعظم نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اقلیت کا احترام نہ کیا، اور یہی اقلیت جذبۂ انتقام سے سرشار ہو کر، ہوش و خرد کھو بیٹھی۔ آخر ہلاکو نے موقع پالیا، اور چڑھ دوڑا۔ اگر ہر دو فرق اسلامی، رواداری اور صلح و آشتی سے کام لیتے۔ کسی کے

مراسم مذہبی میں "سد سکندری" اور راہ میں "سنگ گراں" نہ ہوتے تو یہ خوں چکاں واقعہ پیش نہ آتا۔

اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم، تباہی بغداد کی دوسری وجہ بتاتے ہیں۔ اس خونیں داستان کو انھیں کی زبانی سنئے۔

"جب فقہ مذاہب اربعہ مشخص و مدوّن ہو چکے، اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا، ان چاروں اماموں پر افضل کون ہے؟ حضرت ابو حنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی، اور بحث نے جدال و قتال کی صورت اختیار کی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلے ترغیب، خراسانیوں (جو سنی مذہب تھے) کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلاوا بھیجا، اور شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چلی تو اس نے شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔"
(ترجمان القرآن ج ۲ سورہ طٰہٰ)

قرآن پاک نے یہ کہہ کر ہر شخص کو مذہبی آزادی دی ہے "لکم دینکم ولی دین" عیسیٰ بدین خویش موسیٰ بدین خویش۔ یعنی کسی کو مذہبی ٹھیکیدار اور خدائی فوج دار، بننے کی اجازت نہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔

عام انسانوں کا کیا ذکر، قرآن نے رسولؐ عربی اور رحمۃ للعالمینؐ کو ان الفاظ میں فہمائش کی ہے "لست علیھم بمصیطر" تم ان لوگوں پر شحنہ اور کوتوال نہیں ہو۔ مقصود یہ کہ تبلیغ میں شدت و سختی کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام رہنمائی اور راستہ دکھانا ہے، نہ کہ منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ نے ہمیشہ مشرکین اور غیر مسلمین سے بھی صلح کی سعی و کوشش کی۔ مدینہ کے

یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ کفارِ مکہ سے حدیبیہ میں صلح کی۔ نجران کے نصاریٰ سے صلح کی پیش کش قبول کی۔ گویا اپنی امت کو درس دسبق دیا کہ امور مذہبی میں منازعت ومناقشت سے اجتناب کرنا، اور اس راہ میں کسی قسم کی آویزش اور خلفشار روا نہ رکھنا۔

اسلام دو اہم فرقوں میں منقسم ہے، سنی اور شیعہ۔ دونوں خدا کی وحدانیت کے قائل۔ دونوں محمدؐ کو رسولؐ برحق ماننے والے۔ حشر ونشر پر ایمان رکھنے والے۔ ایسی صورت میں باہم دست وگریباں ہونے سے کیا نتیجہ؟

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔

آیئے دو واقعے اور سن لیجئے۔ اسی پر ختم و دعا۔

قبیلہ تیم بن ثعلبہ کی ایک خاتون "ذات النحیین" ایک دن بازار عکاظ میں دو مشک گھی لے گئیں۔ حضرت "خوات" انصاری صحابی جو سواران غزوۂ بدر سے تھے، گھی خریدنے کے بہانے تنہائی میں لے گئے، اور ایک مشک کا دہانہ کھول کر گھی چکھا، اور "خاتون" کے ہاتھ میں کھلا دہانہ دیدیا۔ پھر دوسری مشک کا دہانہ کھول کر گھی چکھا، اور وہ دہانہ بھی، ان کے ہاتھ میں دیدیا۔ جب "عورت" کے دونوں ہاتھ پھنس گئے تو نفسانی پیاس بجھائی (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مصر)

یہی حضرت "خوات" صحابی رسولؐ، ایک روز، زنانہ لباس پہن کر عورتوں کو گھور رہے تھے، رسول اللہؐ کا ادھر سے گذر ہوا تو عرض کی۔ میرا اونٹ گم ہوگیا ہے، اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ آنحضرتؐ اکثر مزاحاً دریافت کیا کرتے "خوات! تمہارا اونٹ مل گیا؟ ان شہسوار بدر کو اتنی شرمندگی ہوئی کہ چند روز خدمت رسولؐ میں حاضری بند کر دی۔

مطبوعہ شوودیالیہ پریس۔ الہ آباد

چوتھا تحفہ

"احادیث بخاری"

ضخامت تقریباً ۸۰ صفحہ
قیمت ۱۲/

اس مختصر کتاب میں ۶۰ حدیثیں ہیں مثلاً "دعوت عشیرہ" "واقعہ افک" "حضرت عایشہ کا گڑیاں کھیلنا" "حضرت عائشہ کا حضرت خدیجہؓ اور سوکنوں سے رشک" "حدیث منزلت" "حدیث قرطاس" "باغ فدک" "غزوہ احد" "غزوہ خیبر" "غزوہ حنین" "غزوہ تبوک" "جنگ جمل" "بعض اصحاب رسولؐ کا جہنمی ہونا" خالد سے رسول اللہؐ کی بیزاری وغیرہ وغیرہ۔

حدیثوں کا ترجمہ لکھنے کے بعد علماء اہلسنت کے مضامین اور ان کی معتبر کتابوں سے تشریح کی گئی ہے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مختصر کتاب کو اتنا دلچسپ بنا دینا مولف کا کمال ہے۔ یقیناً اس کتاب کا مطالعہ، آپ کو موٹی موٹی عربی، فارسی اور اُردو کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کردیگا دست شوق بڑھائیے۔ کتاب خرید کر پڑھیے۔ آپ کو پڑھنے کے بعد اتنی مسرت ہوگی کہ خرچ کا بار محسوس نہ ہوگا، بلکہ مشن کے زیر بار احسان ہوں گے کہ ایسا تحفہ عنایت کیا۔ اور کہیں گے۔

بازار ہم سے گئے تھے مخزن خرید لائے

کتاب کیا ہے تاریخی معلومات کا خزانہ۔ سدا بہار پھولوں کا ہار۔ کبھی نہ کمھلانے والا گلدستہ جس کے دیکھنے سے آنکھوں کو نور، دل کو سرور حاصل ہوتا اور غنچہ دل کھل جاتا ہے۔ کتابت کی لطافت طباعت کی نفاست، کاغذ کی چکناہٹ نے اور چار چاند لگا دیا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے اچھی ہے ہی۔ بناؤ سنگار نے سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا۔

یاد رکھئے۔ یہ جمود و سکون کا وقت نہیں، بلکہ حرکت و عمل کی گھڑی ہے۔ "نقش دیوار" اور "شیر قالین" بننے سے فائدہ نہیں۔ اگر آپ مذہب کی اشاعت سے قاصر ہیں تو صرف اتنا کیجئے کہ حسینی مشن کی کتابیں چھپوا دیجئے۔ اگر خدانخواستہ یہ بھی نہیں کر سکتے تو ما بخیر شما بسلامت۔

اب ہم تو اسی ذات بے نیاز کے آگے دست سوال دراز کریں گے جس کی بارگاہ عالی میں شاہان کجکلاہ بھی سر نیاز جھکاتے ہیں۔ پھر کتابیں چھپ جائیں گی۔ اور انشاء اللہ چھپتی رہیں گی۔

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست　　　ما زندہ بہ آنیم کہ آرام نہ گیریم

ہم موج ہیں۔ ہمارا ٹھہر جانا ہمارا فنا ہو جانا ہے۔ ہماری زندگی یہی ہے کہ ہم چین سے نہ بیٹھیں۔

کتاب الخمس

مؤلفہ

مرزا یوسف حسین

سرپرست اسلامیہ مشن میانوالی